پ ۲۶

تفسیر ابن کثیر

اردو

ناشر:۔ مکتبہ فیض القرآن ۔ دیوبند ۔ ضلع سہارنپور (یو۔پی)

تفسیر ابن کثیرؒ

جس پر

علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اس کے بعد کی تمام تفاسیر قرآن اس سے ماخوذ ہیں

مصنف

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمۃ

ترجمہ قرانِ پاک

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

حواشی و اضافات

مولانا محمد انظر شاہ صاحب کاشمیری مدرس دار العلوم دیوبند ابن حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری سابق محدث دار العلوم دیوبند

پارہ نمبر ۲۶

جز نمبر ۲۷

ناشر

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارن پور (یوپی)

مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یو، پی)

آپ کی علمی، عصری اور اسلامی ضرورتوں کو پورا کرنے والا، اور صحیح قرآنِ کریم
و پارہ ہائے قرآن مجید، مستند و مفید تفاسیر اور اسلامی کتب کو فراہم و شائع
کرنے والا اپنی نوعیت کا واحد مرکز ہے

اس کی کامیابی و کامرانی کا راز آپ کی مخلصانہ خدمات میں پوشیدہ ہے

ناظم کتب خانہ

طبع اول: ــــــــ دو ہزار
مطبوعہ: ــــــــ وسیم فائن پرنٹنگ پریس دیوبند
ھدیہ: ــــــــ روپے۔

فہرست مضامین تفسیر ابن کثیر اردو پارہ نمبر ۲۶ جز ۲۷

تفسیر سورۂ احقاف مکیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

حم یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے ہم نے آسمان اور زمین اور ان چیزوں کو جو

وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ ﴿۳﴾

ان کے درمیان میں ہیں حکمت کے ساتھ ایک میعاد معین کیلئے پیدا کیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہو وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں

قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ

آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انھوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا

لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ۖ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّن قَبْلِ هَٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴﴾

ان کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی اور مضمون منقول لاؤ اگر تم سچے ہو

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن

اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے اور ان کو ان کے

دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴿۵﴾ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴿۶﴾

پکارنے کی بھی خبر نہ ہو اور جب سب آدمی جمع کیے جائیں تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں

یہ سب کچھ بیکار کھیل نہیں

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس قرآن کریم کو اس نے اپنے بندے اور اپنے سچے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور بیان فرماتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسی بڑی عزت والا ہے جو کبھی زائل نہیں ہوگی اور ایسی زبردست حکمت والا ہے جس کا کوئی قول کوئی فعل حکمت سے خالی

نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ آسمان و زمین وغیرہ تمام چیزیں اس نے عبث اور باطل پیدا نہیں کیں بلکہ سراسر حق کے ساتھ اور بہترین تدبیر کے ساتھ بنائی ہیں اور ان سب کے لیئے وقت مقرر ہے جو نہ گھٹے نہ بڑھے اس رسول سے اس کتاب سے اور خدا کے خوف کی اور نشانیوں سے جو بدباطن لوگ بے پروائی کرتے ہیں اُنھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے کس قدر خود اپنا ہی نقصان کیا۔ پھر فرماتا ہے ذرا ان مشرکین سے پوچھو کہ خدا کے سوا جن کے نام تم جپتے ہو جنھیں تم پکارتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو ذرا مجھے بھی تو ان کی طاقت قدرت دکھاؤ بتلاؤ تو زمین کے کس ٹکڑے کو خود انھوں نے بنایا ہے؟ یا ثابت تو کرو کہ آسمانوں میں ان کی شرکت کتنی ہے اور کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آسمان ہوں یا زمینیں ہوں یا اور چیزیں ہوں اُن سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے بجز اس کے کسی کو ایک ذرے کا بھی اختیار نہیں تمام ملک کا مالک وہی ہے ہر چیز پہ کامل تصرف اور قبضہ رکھنے والا وہی ہے۔ تم اُس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ کیوں اس کے سوا دوسروں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہو؟ تمھیں یہ تعلیم کس نے دی؟ کس نے یہ شرک تمھیں سکھایا؟ دراصل کسی بھلے اور سمجھدار شخص کی یہ تعلیم نہیں ہو سکتی۔ نہ خدا نے یہ تعلیم دی ہے۔ اگر تم خدا کے سوا اوروں کی پوجا پر کوئی آسمانی دلیل رکھتے ہو تو اچھا اس کتاب کو تو جانے دو اور کوئی آسمانی صحیفہ ہی پیش کر دو۔ اچھا نہ سہی اپنے اس مسلک پر کوئی اور دلیلِ علم ہی قائم کرو۔ لیکن یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ فعل صحیح بھی ہو اس باطل فعل پر تو نہ تو تم کوئی نقلی دلیل پیش کر سکتے ہو نہ عقلی، ایک قراءت میں اَوْ اَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ ہے یعنی کوئی صحیح علم کی نقل اگلوں سے ہی پیش کرو، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی کو پیش کرو جو علم کی نقل کرے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس امر کی کوئی بھی دلیل لے آؤ، مسند احمد میں ہے اس سے مراد علمی تحریر ہے راوی کہتے ہیں میرا تو خیال ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، حضرت ابوبکر بن عیاشؒ فرماتے ہیں مُراد بقیہ علم ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کسی مخفی دلیل کو ہی پیش کر دو۔ اور ان بزرگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ مُراد اس سے اگلی تحریریں ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کوئی خاص علم اور یہ سب اقوال قریب قریب ہم معنیٰ ہیں مراد وہی ہے جو ہم نے شروع میں بیان کر دی۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے اُس سے بڑھ کر کوئی راہ گم کردہ نہیں جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پکارے اور ان سے حاجتیں طلب کرے جن حاجتوں کے برلانے کی اُن میں طاقت ہی نہیں بلکہ وہ تو اس سے بھی بے خبر ہیں کہ کوئی انھیں پکار رہا ہے، قیامت تک یہ پکارتے رہیں لیکن وہ غافل ہی ہیں، نہ وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں محض بے خبر ہیں نہ کسی چیز کو لے دے سکتے ہیں اس لیے کہ وہ تو پتھر ہیں جمادات میں سے ہیں۔ قیامت کے دن جب سب لوگ اکٹھے کیئے جائیں گے تو یہ معبودانِ باطل اپنے عابدوں کے دشمن بن جائیں گے اور اس بات سے کہ یہ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے صاف انکار کر جائیں گے جیسے اللہ عزوجل کا اور جگہ ارشاد ہے وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً الخ یعنی ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی عزت کا باعث بنیں۔ واقعہ ایسا نہیں بلکہ وہ تو ان کی عبادت کا انکار کر جائیں گے اور ان کے پورے مخالف ہو جائیں گے۔ یعنی جب کہ یہ ان کے پورے محتاج ہوں گے اس وقت وہ ان سے منہ پھیر لیں گے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا تھا اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا الخ یعنی تم نے اللہ کے سوا بتوں سے جو تعلقات دنیا میں قائم کر لیئے ہیں اس کا نتیجہ قیامت کے دن دیکھ لو گے جبکہ تم ایک دوسرے سے انکار کر جاؤ گے اور تمہاری جگہ جہنم مقرر اور متعین ہو جائے گی اور تم اپنا مددگار کسی کو نہ پاؤ گے۔

لے ان آیات میں چند اہم امور وعقائد کی جانب توجہ دلائی گئی اول تو یہ کہ قرآن مجید جو اسلامی عقائد و تعلیمات کا مجموعہ ہے اس کو نازل کرنے والے صرف خدا تعالیٰ ہیں اگر اس کی یہ حیثیت باور کر لی جائے تو پھر قرآن حکیم کے احکام پر عمل پیرا ہونے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا، دوسری بات یہ سمجھائی گئی کہ ساری دنیا کو ہم ہی نے پیدا کیا دہریت پر یہ ایک ضرب کاری ہے، تیسری بات یہ بتائی گئی کہ ہر چیز سے مقصود کوئی نہ کوئی حکمت ہے، تخلیق عالم بلا وجہ نہیں ہے چوتھی حقیقت یہ پیش کی گئی کہ دنیا کی ہر چیز کا وقت متعین ہے جب وہ وقت آتا ہے تو اشیاء ختم ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ ایک وقت مقررہ پر یہ عالم بھی باقی نہ رہیگا گویا کہ ہر چیز فانی ہے لے بالعموم قرآن مجید توحید کے ثبوت پر دلائل قائم کرتا ہے لیکن کبھی کبھی خود منکرین سے (باقی صفحہ ۷ پر ملاحظہ ہو)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۷

اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر لوگ اس سچی بات کی نسبت جبکہ وہ ان تک پہنچتی ہے یوں کہتے ہیں کہ یہ صریح

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا

جادو ہے۔ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ آپ کہدیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہوگا تو پھر تم لوگ مجھ کو خدا

تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ قُلْ مَا كُنتُ

سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے وہ خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو میرے اور تمہارے درمیان میں وہ کافی گواہ ہے اور وہ بڑی مغفرت والا رحمت والا ہے آپ کہدیجئے کہ میں

بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا

انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائیگا اور نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائیگا میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی

أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۹

کے ذریعہ آتا ہے اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانیوالا ہوں

بیہودہ گوئی کی ایک عجیب و غریب مثال

مشرکوں کی سرکشی اور ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جب انھیں خدا کی ظاہر و باہر واضح اور صاف آیتیں سنائی جاتی ہیں تو یہ کہدیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ تکذیب و افترا ضلالت و کفر گویا ان کا شیوہ ہو گیا ہے۔ جادو کہہ کر ہی بس نہیں کرتے بلکہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اسے تو خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گھڑ لیا ہے پس نبی کی زبانی خدا خوب جواب دلواتا ہے کہ اگر میں نے ہی اس قرآن کو بنا لیا ہے اور میں اس کا سچا نبی نہیں تو یقیناً وہ مجھے میرے اس جھوٹ اور بہتان پر سخت تر عذاب کرے گا اور پھر تم تو کیا سارے جہان میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے اس کے عذاب سے چھڑا سکے جیسے اور جگہ ہے قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ الخ یعنی تو کہدے کہ مجھے اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا کہیں اور مجھے پناہ کی جگہ مل سکے گی لیکن میں خدا کی تبلیغ اور اس کی رسالت کو بجا لاتا ہوں۔ اور جگہ ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الخ یعنی اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے، اور تم میں سے کوئی بھی اسے نہ بچا سکتا۔ پھر کفار کو دھمکایا جا رہا ہے کہ تمہاری گفتگو کا پورا علم اس علیم خدا کو ہے، وہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا، اس دھمکی کے بعد انھیں توبہ اور انابت کی رغبت دلائی جا رہی ہے اور فرماتا ہے وہ غفور و رحیم ہے، اگر تم اس کی طرف رجوع کر لو اپنے کرتوت سے باز آ ؤ تو وہ بھی تمھیں بخش دے گا اور تم پر رحم کرے گا سورۂ فرقان میں بھی اسی مضمون کی آیت ہے۔ فرمان ہے وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا الخ یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جنھیں اس نے لکھ لی ہیں اور صبح و شام لکھائی جا رہی ہیں، تو کہدے کہ اسے اس خدا نے اتارا ہے جو ہر پوشیدگی کو جانتا ہے خواہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں اور وہ غفور و رحیم ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا میں میں کوئی پہلا نبی تو نہیں؟ مجھ سے پہلے بھی تو دنیا میں لوگوں کی طرف رسول آتے رہے پھر میرے آنے سے تمھیں اس قدر اچنبھا کیوں ہوا؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم

(بقیہ حاشیہ صـ۶ ملاحظہ ہو) شرک کے جواز پر بھی دلائل طلب کرتے جاتے ہیں یہ آیات انھیں آیات میں سے ہے جن میں خدا تعالیٰ نے مشرکین سے دلائل کا مطالبہ فرمایا ہے سـ عارفین نے آیت سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ دین کے باب میں کوئی بھی دعوی بغیر دلیل کے مسموع نہ ہوگا تا آنکہ کسی کا دعوی کشف و الہام بھی ہرگز نہ سنا جائے گا۔

کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ بقول حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے بعد آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الخ اتری ہے۔ اسی طرح حضرت عکرمہ حضرت حسن حضرت قتادہؒ بھی اسے منسوخ بتلاتے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ جب آیت بخشش اتری جس میں فرمایا گیا تاکہ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ بخشے تو ایک صحابی نے کہا حضورؐ یہ تو اللہ نے بیان فرما دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا کرنے والا ہے پس وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ اس پر آیت لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اتری یعنی تاکہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ صحیح حدیث میں بھی یہ تو ثابت ہے کہ مومنوں نے کہا یارسول اللہ آپ کو مبارک ہو فرمائیے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت ضحاکؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے بارے میں خدا تعالیٰ کا کیا حکم ہے اور کس چیز سے روک دیا جاؤں؟ امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ آخر کا انجام تو مجھے قطعاً معلوم ہے کہ میں جنت میں جاؤں گا۔ ہاں دنیوی حال معلوم نہیں کہ اگلے بعض انبیاء کی طرح قتل کیا جاؤں یا اپنی زندگی کے دن پورے کر کے خدا کے ہاں جاؤں؟ اور اسی طرح میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں دھنسا دیا جائے یا تم پر پتھر برسائے جائیں، امام ابن جریر اسی کو معتبر کہتے ہیں اور فی الواقع ہے بھی یہ ٹھیک آپ بالیقین جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے پیرو جنت میں ہی جائیں گے اور دنیا کی حالت کے انجام سے آپ بے خبر تھے کہ انجام کار آپ کا اور آپ کے مخالفین قریش کا کیا حال ہوگا؟ آیا وہ ایمان لائیں گے یا کفر پر ہی رہیں گے اور عذاب کیے جائیں گے یا بالکل ہی ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ لیکن جو حدیث مسند احمد میں ہے حضرت ام العلاءؓ فرماتی ہیں جنہوں نے حضورؐ سے بیعت کی تھی کہ جس وقت مہاجرین بذریعہ قرعہ اندازی انصاریوں میں تقسیم ہو رہے تھے اس وقت ہمارے حصے میں حضرت عثمان بن مظعونؓ آئے آپ ہمارے ہاں بیمار ہوئے اور فوت بھی ہو گئے جب ہم آپ کو کفن پہنا چکے اور حضور بھی تشریف لا چکے تو میرے منہ سے نکل گیا اے ابوالسائب اللہ تجھ پر رحم کرے میری تو تجھ پر یہ گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تیرا اکرام ہی کریگا اس پر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا اکرام ہی کرے گا میں نے کہا حضور پر میرے ماں باپ فدا ہوں مجھے کچھ معلوم نہیں پس آپ نے فرمایا سنو اُن کے پاس تو ان کے رب کی طرف کا یقین آ پہنچا اور مجھے ان کے لیے بھلائی اور خیر کی امید ہے قسم ہے اللہ کی باوجود رسول اللہ ہونے کے میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس پر میں نے کہا خدا کی قسم اب اس کے بعد میں کسی کی برأت نہیں کروں گی اور مجھے اس کا بڑا صدمہ ہوا لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ایک نہر بہہ رہی ہے میں نے آ کر حضورؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا یہ ان کے اعمال ہیں یہ حدیث بخاری میں ہے مسلم میں نہیں اور اس کی ایک سند میں ہے میں نہیں جانتا باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ دل کو تو کچھ ایسی لگتی ہے کہ یہی الفاظ موقعہ کے لحاظ سے ٹھیک ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی یہ جملہ ہے کہ مجھے اس بات سے بڑا صدمہ ہوا الغرض یہ حدیث اور اسی کی ہم معنی اور حدیثیں دلالت ہیں اس امر پر کہ کسی معین شخص کے جنتی ہونے کا قطعی علم کسی کو نہیں نہ کسی کو ایسی بات زبان سے کہنی چاہیئے۔ بجز ان بزرگوں کے جن کے نام لے کر شارع علیہ السلام نے انھیں جنتی کہا ہے جیسے عشرہ مبشرہ اور حضرت ابن سلام اور غمیصا اور بلال اور سراقہ اور عبداللہ بن عمرو بن حرام جو حضرت جابر کے والد ہیں اور وہ ستر قاری جو بیر معونہ کی جنگ میں شہید کیے گئے اور زید بن حارثہ اور جعفر اور ابن رواحہ اور ان جیسے اور بزرگ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر فرماتا ہے نبی تم کہہ دو کہ میں تو صرف اس وحی کا مطیع ہوں جو خدا کی جانب سے میری جانب آئے

ع گویا کہ مجھ کو علم غیب کا نہیں، میں تو تمہاری طرح انسان ہوں ہاں میرے اور تمہارے میں فرق یہ ہے کہ میرا رشتہ وحی سے جڑا ہوا ہے اور تم وحی سے مربوط نہیں ہو ع۵ گویا کہ حسن ظن کی بنا پر مسلمان نیک ہو تو اس کو بہرحال جنتی کہہ سکتے ہیں ہاں اپنے خیال پر جزم ہونا چاہیئے اور نامزد گویا کہ جنتی کہنے کا حکم قطعی نہ ہونا چاہیئے محض حسن کی بنا پر کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ام العلاء رضی اللہ عنہا کو روکنا تو وہ صرف اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے قسم کھا کر عثمان رضی اللہ عنہ کو جنتما تھا گویا کہ وہ ان کے (بقیہ حاشیہ صفہ ۹ پر ملاحظہ ہو)

اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کہ کھول کھول کر ہر شخص کو آگاہ کر رہا ہوں ہر عقلمند میرے منصب سے با خبر ہے واللہ اعلم ؁

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

آپ کہدیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی

ع ۱۰ ۱ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⓾ وَقَالَ

دے کر ایمان لے آوے اور تم تکبر ہی میں رہو بیشک اللہ تعالےٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ اور یہ کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ

ایمان والوں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اسکی طرف ہم سے سبقت نہ کرتے اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب ہوئی

فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⓫ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ

تو یہ کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو رہنما اور رحمت تھی

وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى

اور یہ ایک کتاب ہے جو اس کو سچا کرتی ہے عربی زبان میں ظالموں کے ڈرانے کے لئے اور نیک لوگوں کو بشارت

لِلْمُحْسِنِيْنَ ⓬ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

دینے کے لئے۔ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⓭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⓮

غمگین ہوں گے یہ لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے بعوض ان کاموں کے جو کہ وہ کرتے تھے۔

خرافات کا پلندہ

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان مشرکین کافرین سے کہو کہ اگر یہ قرآن واقعی خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور پھر بھی تم اس کا انکار کر رہے ہو تو بتلاؤ تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ وہ خدا جس نے مجھے حق کے ساتھ تمہاری طرف یہ پاک کتاب دیکر بھیجا ہے وہ تمہیں کیسی کچھ سزائیں کرے گا؟ تم اس کا انکار کرتے ہو اسے جھوٹا بتلاتے ہو حالانکہ اس کی سچائی اور صحت کی شہادت وہ کتابیں بھی دے رہی ہیں جو اس سے پہلے وقتاً فوقتاً اگلے انبیاء پر نازل ہوتی رہیں اور بنی اسرائیل کے جس شخص نے اس کی سچائی کی گواہی دی اس نے حقیقت کو پہچان کر اسے مانا اور اس پر ایمان لایا۔ لیکن تم نے اس کی اتباع سے جی چرایا اور تکبر کیا، یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس شاہد نے اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر یقین کرلیا، لیکن تم نے اپنے نبی اور

(بقیہ حاشیہ ص۸ ملاحظہ ہو) جنتی ہونے کا قطعی حکم لگا رہی تھیں جس کی شریعت کی طرف سے اجازت نہیں ہے ص۸ یعنی یقین کے درجہ میں نہیں کم از کم احتمال ہی کے درجہ میں مان لو کہ یہ قرآن اگر خدا تعالےٰ کا کلام ہو تو تمہارے اس انکار سے تم پر کیا آفت آئے گی ان آیات سے یہ سمجھا کر ہر بات کا انکار محض اس خوف سے کرنا چاہیے کہ کہیں کا حق ہو غلط ہوگا۔ مثلاً قادیانیت، انکار حدیث اور اسی طرح کے دوسرے فتنے شریعت حدیث قرآن اور اجماع امت کے قطعاً خلاف ہیں اس لئے ان کی تردید بلا تامل کرنی چاہیے اور ایک سکنڈ کا سکوت ان کے بارے میں نہ ہونا چاہیے۔

اپنی کتاب کے ساتھ کفر کیا، اللہ تعالیٰ ظالم گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔ شَاهِدٌ کا لفظ اسم جنس ہے اور یہ اپنے عام معنیٰ کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ سب کو شامل ہے یہ یاد رہے کہ یہ آیت مکی ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام سے پہلے کی ہے ایسی آیت یہ بھی ہے وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ۝ یعنی جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں اور فرمان ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ الخ یعنی جن لوگوں کو اس سے پہلے علم عطا فرمایا گیا ہے ان پر جب تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بلاپس وپیش سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے اس کے وعدے یقیناً سچے اور ہو کر رہنے والے ہیں، مسروقؒ اور شعبیؒ فرماتے ہیں یہاں اس آیت سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ نہیں اس لئے کہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور آپ مدینہ کی ہجرت کے بعد اسلام قبول کرتے ہیں حضرت سعدؓ[عـه] فرماتے ہیں کسی شخص کے بارے میں جو زندہ ہو اور زمین پر چل پھر رہا ہو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس کا جنتی ہونا نہیں سنا بجز حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انہی کے بارے میں آیت وَشَهِدَ شَاهِدٌ[عـه] مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الخ نازل ہوئی ہے (صحیحین وغیرہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہد ضحاک قتادہ عکرمہ یوسف بن عبداللہ بن ہلال بن بشار سدی ثوری مالک بن انس ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابن سلامؓ ہیں۔ یہ کفار کہا کرتے تھے کہ اگر قرآن بہتری کی چیز ہوتی تو ہم جیسے شریف انسان جو اللہ کے مقبول بندے ہیں ان پر بھلا یہ نیچے درجے کے لوگ جیسے بلالؓ، عمارؓ، صہیبؓ، خبابؓ اور انہی جیسے اور گرے پڑے لونڈی غلام کیسے سبقت کر جاتے؟ پھر تو اللہ سب سے پہلے ہمیں ہی نوازتا۔ حالانکہ یہ قول سخت باطل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ الخ یعنی ہم نے اسی طرح بعض کو بعض کے ساتھ فتنے میں ڈالا تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے انہی پر خدا نے اپنا احسان کیا؟ یعنی انہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے؟ اگر یہ چیز بھلی ہوتی تو ہم اس کی طرف لپک کر جاتے پس یہ خیال ان کا تو خام تھا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ نیک سمجھ والے سلامت روی والے ہمیشہ بھلائی کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو قول و فعل صحابۂ رسولؐ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ اس لئے کہ اگر اس میں بہتری ہوتی تو وہ پاک جماعت جو کسی چیز میں پیچھے رہنے والی نہ تھی وہ اسے ترک نہ کرتی، چونکہ اپنی بدنصیبی کے باعث یہ گروہ قرآن پر ایمان نہیں لایا اس لئے یہ اپنی خجالت دفع کرنے کو قرآن ہی پر نام دھرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو پرانے لوگوں کی پرانی غلط باتیں ہیں یہ کہہ کر وہ قرآن اور قرآن والوں کو طعنہ دیتے ہیں یہی وہ تکبر ہے جس کی بابت حدیث میں ہے کہ تکبر نام ہے حق کو ہٹا دینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب توراۃ امام و رحمت تھی اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کو منزل من اللہ اور سچی کتابیں مانتا ہے۔ یہ عربی فصیح اور بلیغ زبان میں نہایت واضح کتاب ہے۔ اس میں کفار کے لئے وعید ہے اور ایمانداروں کے لئے بشارت ہے۔ اس کے بعد کی آیت کی پوری تفسیر سورۂ حٰمٓ السجدہ میں گذر چکی ہے ان پر خوف نہ ہوگا یعنی آئندہ اور نہ غم نہ کھائیں گے یعنی چھوڑی ہوئی چیزوں کا۔ یہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے جنتی ہیں، ان کے پاکیزہ اعمال تھے ہی ایسے کہ رحمت رحیم کریم کی بدلیاں ان پر جھوم جھوم کر موسلا دھار بارش برسائیں واللہ اعلم۔

عـه یہ حضرت سعدؓ اپنی معلومات بیان فرما رہے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ عشرہ مبشرہ اور دیگر ارباب سعادت اصحاب رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کی ایسی بشارتیں موجود ہیں۔

عـه زیادہ صحیح یہ ہے کہ شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مثلہ سے تورات مراد ہے ابن جریر میں ہے کہ عن مسروق قال التوراة مثل القرآن وموسیٰ مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کیساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کیساتھ اس کو جنا

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ

اور اسکو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے (میں پورا ہوتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے اے

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ

میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھکو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں جس

صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ⑮

سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ

یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے کاموں کو قبول کر لیں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے

الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ⑯

ہوں گے اس وعدۂ صادق کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا

مکارم اخلاق کے زریں اصول

اس سے پہلے چونکہ خدائے تعالےٰ کی توحید کا اور اس کی عبادت کے اخلاص کا اور اس پر استقامت کرنے کا حکم ہوا تھا اس لئے یہاں ماں باپ کے حقوق کی بجا آوری کا حکم ہو رہا ہے اسی مضمون کی اور بہت سی آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں جیسے فرمایا وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا یعنی تیرا رب یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور آیت میں ہے اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا، لوٹنا تو میری ہی طرف ہے، اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو حکم کیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو ان سے بہ تواضع پیش آؤ۔ ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپ سے کہا کہ کیا ماں باپ کی اطاعت کا حکم خدا نہیں؟ سن میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تو اللہ کے ساتھ کفر نہ کرے حضرت سعدؓ کے انکار پر اس نے یہی کیا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ لکڑی سے اس کا منہ کھول کر جبراً پانی وغیرہ چھوا دیتے تھے اس پر یہ آیت اتری۔ یہ حدیث مسلم شریف وغیرہ میں بھی ہے، ماں نے حالت حمل میں کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کی ہیں؟ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار بنی ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اور اس کے ساتھ سورۂ لقمان کی آیت وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اور اللہ عز وجل کا فرمان وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں ان کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں ملا کر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استدلال بہت قوی اور بالکل

؏ لیکن اس کے باوجود حضرت سعد نے اسلام کو نہیں چھوڑا ہمیں یہ قانون زبان نبوت سے وضع ہوا کہ مخلوق کی اطاعت خدا تعالےٰ کی معصیت میں ہرگز جائز نہیں شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسلام، ہجرت، دینی تعلیم کے حصول کے بارے میں ماں باپ کی نافرمانی جائز ہے اور بس۔

صحیح ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ حضرت معمر بن عبداللہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا اس کے خاوند نے حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ وزاری شروع کر دی اس بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو خدا کی قسم مخلوقِ خدا میں سے کسی سے میں نہیں ملی میں نے کبھی کوئی بُرا فعل نہیں کیا تو دیکھو کہ خدا کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ جب حضرت عثمانؓ کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفۃ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ مہینے بعد بچہ ہوا ہے جو ناممکن ہے یہ سنکر علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی؟ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اور ساتھ ہی یہ آیت بھی حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ پس مدتِ حمل اور مدتِ دودھ پلائی دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کامل مدت دو سال کے چوبیس مہینے وضع کر دیئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہؓ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہوا پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہو؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واللہ یہ بات بہت ٹھیک ہے افسوس میرا خیال ہی اس طرف نہیں گیا جاؤ اس عورت کو لے آؤ لیکن لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ اس سے فراغت حاصل ہو چکی تھی[ع]۔ حضرت معمرؒ فرماتے ہیں واللہ ایک کوا دوسرے کوے سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا خود اس کے والد نے بھی اُسے دیکھ کر کہا خدا کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا اور اُسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا وہ ہی اسے گھلاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا (ابن ابی حاتم) یہ روایت دوسری سند سے فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ کی تفسیر میں ہم نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جب کسی عورت کو نو مہینے میں بچہ پیدا ہو تو اُس کی دودھ پلائی کی مدت اکیس ماہ کافی ہیں اور جب سات مہینے میں ہو تو مدتِ رضاعت تیئیس ماہ اور جب چھ ماہ میں بچہ ہو جائے تو مدتِ رضاعت دو سال کامل اس لئے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے جب وہ اپنی پوری قوت کے زمانے کو پہنچا یعنی قوی ہو گیا جوانی کی عمر میں پہنچ گیا اور پورا مرد شمار ہونے لگا اور چالیس سال کا ہوا عقل پوری آئی فہم کمال کو پہنچا۔ حلم اور بردباری آگئی یہ کہا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو حالت اس کی ہوتی ہے عموماً پھر باقی عمر وہی حالت رہتی ہے۔ حضرت مسروقؒ سے پوچھا گیا کہ انسان کب اپنے گناہوں پر پکڑا جاتا ہے؟ تو فرمایا جب تو چالیس سال کا ہو جائے تو اپنے بچاؤ مہیا کر لے۔ ابو یعلیٰ موصلی میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں جب مسلمان بندہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے اور جب ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں ثابت رکھتا ہے اور اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے گھرانے کے آدمیوں کے بارے میں اسے شفاعت کرنے والا بناتا ہے اور آسمانوں میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ خدا کی زمین میں اس کا قیدی ہے[ت]۔ یہ حدیث دوسری سند سے مسند احمد میں بھی ہے۔ بنو امیہ کو دمشقی گورنر حجاج بن عبداللہ حکیمی فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں تو میں نے نافرمانیوں اور گناہوں کو لوگوں کی شرم و حیا سے چھوڑا تھا اس کے بعد گناہوں کے چھوڑنے کا باعث خود ذات خداوندی سے حیا تھی۔ عرب شاعر کہتا ہے بچپنے میں نا سمجھی کی حالت میں تو جو کچھ ہو گیا ہو گیا لیکن جس وقت بڑھاپے نے منہ دکھایا تو سر کی سفیدی نے خود ہی برائیوں سے کہہ دیا کہ اب تم کوچ

[ع] گویا کہ وہ بد قسمت عورت رجم کر دی گئی تھی اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا جس میں بھول چوک ہو سکتی ہے اس لئے حضرت عثمان پر بھی کوئی مواخذہ نہیں

[ت] اس حدیث میں ایمان اور عمل صالح معتبر ہے یعنی وہ بوڑھا مومن ہو اور ساتھ پاکیزہ عمل،

کر جاؤ۔ پھر اس کی دعا کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے کہا میرے پروردگار میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمائی اور میں وہ اعمال کروں جن سے تو مستقبل میں خوش ہو جائے اور میری اولاد میں میرے لئے اصلاح کر دے یعنی میری نسل اور میرے پیچھے والوں میں۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میرا اقرار ہے کہ میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ اس میں ارشاد ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کو سچے دل سے اللہ کی طرف توبہ کرنی چاہیئے اور نئے سرے سے خدا کی طرف رجوع و رغبت کر کے اس پر جم جانا چاہیئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ صحابہؓ کو حضورؐ التحیات میں پڑھنے کے لئے اس دعا کی تعلیم کیا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتْمِمْهَا عَلَيْنَا۔ یعنی اے اللہ ہمارے دلوں میں الفت ڈال اور ہمارے آپس میں اصلاح کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہیں دکھا اور ہمیں اندھیروں سے بچا کر نور کی طرف نجات دے اور ہمیں ہر برائی سے بچا لے خواہ وہ ظاہر ہو خواہ چھپی ہوئی ہو اور ہمیں ہمارے کانوں میں اور آنکھوں میں اور دلوں میں اور بیوی بچوں میں برکت دے اور ہم پر رجوع فرما یقیناً تو رجوع فرمانے والا مہربان ہے اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ان کے باعث اپنا ثنا خواں اور نعمتوں کا اقراری بنا اور اپنی بھرپور نعمتیں ہمیں عطا فرما۔ پھر فرماتا ہے یہ جن کا بیان گزرا جو خدا کی طرف توبہ کرنے والے اور جو نیکیاں چھوٹ جائیں انہیں کثرت استغفار سے پا لینے والے ہی وہ ہیں جن کی اکثر لغزشیں ہم معاف فرما دیتے ہیں اور ان کے تھوڑے اعمال کے بدلے ہم انہیں جنتی بنا دیتے ہیں ان کا یہی حکم ہے جیسے کہ وعدہ کیا اور فرمایا یہ وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا۔ ابن جریر میں ہے کہ حضورؐ بروایت روح الامین علیہ الصلوٰۃ فرماتے ہیں انسان کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی اور ایک کو ایک کے بدلے میں کیا جائے گا، پس اگر ایک نیکی بھی بچ رہی تو اللہ تعالےٰ اسی کے عوض اسے جنت میں پہنچا دے گا۔ راوی حدیث نے اپنے استاد سے پوچھا اگر تمام نیکیاں ہی برائیوں کے بدلے میں چلی جائیں تو؟ آپ نے فرمایا ان کی برائیوں سے اللہ رب العزت تجاوز فرما لیتا ہے، دوسری سند میں یہ بفرمان اللہ عز و جل مروی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند بہت پختہ ہے۔ حضرت یوسف بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ اہل بصرہ پر غالب آ گئے اس وقت میرے پاس حضرت محمد بن حاطبؓ آئے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے میں حضرت علیؓ کے پاس تھا اور اس وقت حضرت عمار حضرت صعصعہ حضرت اشتر حضرت محمد بن ابو بکر بھی تھے بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا ذکر نکالا اور کچھ گستاخی کی حضرت علیؓ اس وقت تخت پر بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں چھڑی تھی حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ آپ کے سامنے تو آپ کی اس بحث کا صحیح محاکمہ کرنے والے موجود ہی ہیں چنانچہ سب لوگوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا اس پر آپ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ عز و جل فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ الخ قسم خدا کی یہ لوگ جن کا ذکر اس آیت میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے ساتھی، تین مرتبہ یہی فرمایا۔ راوی یوسف کہتے ہیں میں نے محمد بن حاطب سے پوچھا سچ کہو تمہیں خدا کی قسم تم نے خود حضرت علیؓ کی زبانی یہ سنا ہے؟ فرمایا ہاں قسم خدا کی میں نے خود حضرت علیؓ سے یہ سنا ہے ؏

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدَانِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھ کو یہ وعدہ (یعنی خبر) دیتے ہو کہ میں (قیامت میں) دوبارہ زندہ ہو کر (قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں

مِنْ قَبْلِيْ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ

گزر چکی اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو یہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے

إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ

منقول چلی آرہی ہیں　یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہو کر رہا

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿٨﴾

جو ان سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں بیشک یہ خسارہ میں رہے

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٩﴾ وَيَوْمَ

اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے اور تاکہ اللہ سب کو ان کے اعمال پورے کر دے اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور

يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم

جس روز کفار آگ کے سامنے لائیں جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت

بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

چکے سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس

وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿١٠﴾ ع

وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

ع ۲

ناخلف اولاد

چونکہ اُوپر ان لوگوں کا حال بیان ہوا تھا جو اپنے ماں باپ کے حق میں نیک دعائیں کرتے ہیں اور ان کی خدمتیں کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی اُن کے اُخروی درجات کا اور وہاں نجات پانے اور اپنے رب کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اس لئے اس کے بعد اُن بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے جو اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں، اُنہیں باتیں سناتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کے حق میں نازل ہوئی ہے جیسے کہ عوفی بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں جس کی صحت میں بھی کلام ہے اور جو قول نہایت کمزور ہے اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ تو مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے اسلام والوں میں سے تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے، بعض مفسرین کا بھی یہ قول ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے، ابن ابی حاتم میں ہے کہ مروان نے اپنے خطبے میں کہا کہ اللہ تعالےٰ نے امیر المومنین کو یزید کے بارے میں ایک اچھی رائے سُجھائی ہے اگر انہیں اپنے بعد بطور خلیفہ کے نامزد کر جائیں تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی تو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا ہی ہے اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بول اُٹھے کہ کیا ہرقل کے دستور پر اور نصرانیوں کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟ قسم ہے خدا کی نہ تو خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلافت کے لئے منتخب کیا نہ اپنے کنبے قبیلے والوں میں سے کسی کو نامزد کیا اور معاویہؓ نے جو اسے کیا وہ صرف ان کی عزت افزائی اور اُن کے بچوں پر رحم کھا کر۔ یہ سنکر مروان کہنے لگا کیا تو وہی نہیں جس نے اپنے والدین کو اُف کہا تھا؟ تو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کیا تو ایک ملعون شخص کی اولاد میں سے نہیں؟ تیرے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ف زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت کافر اولاد کے بارے میں ہے جو اپنے مسلمان ماں باپ کی دعوت اسلام پر بجائے لبیک کہنے کی نافرمانی اور کفر کا مظاہرہ کرتے ہیں مروان نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا نام لیکر اپنی جبلت باطنی کا مظاہرہ کیا ورنہ ظاہر ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خاندان کفر و شرک سے قطعاً محفوظ رہا۔

نے لعنت کی تھی۔ حضرت صدیقہؓ نے سنکر مروان سے کہا تو نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے جو کہا وہ بالکل جھوٹ ہے وہ آیت ان کے بارے میں نہیں بلکہ وہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر مروان جلدی ہی منبر سے اُتر کر آپ کے حجرے کے دروازے پر آیا اور کچھ باتیں کر کے لوٹ گیا۔ بخاری میں یہ حدیث دوسری سند سے اور الفاظ کے ساتھ ہے۔ اُس میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی طرف سے مروان حجاز کا امیر بنایا گیا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مروان نے حضرت عبدالرحمٰن کو گرفتار کر لینے کا حکم اپنے سپاہیوں کو دیا لیکن یہ دوڑ کر اپنی ہمشیرہ صاحبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرے میں چلے گئے اس وجہ سے انہیں کوئی پکڑ نہ سکا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ کبریٰ نے پردہ میں سے ہی فرمایا کہ ہمارے بارے میں بجز میری پاکدامنی کی آیتوں کے اور کوئی آیت نہیں اُتری۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ اس خطبہ سے مقصود یزید کی طرف سے بیعت حاصل کرنا تھا۔ حضرت عائشہؓ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ مروان اپنے اس قول میں جھوٹا ہے جسکے بارے میں یہ آیت اُتری ہے مجھے بخوبی اس کا نام معلوم ہے لیکن میں اس وقت اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتی لیکن ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ کو ملعون کہا ہے اور مروان اس کی پشت میں تھا پس یہ اس خدائی لعنت کا بقیہ ہے۔ یہ جہاں اپنے ماں باپ کی بے ادبی کرتا ہے وہاں خدائے تعالیٰ کی بے ادبی سے بھی نہیں چوکتا۔ مرنے کے بعد کی زندگی کو جھٹلاتا ہے اور اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ تم مجھے اس زندگی سے کیا ڈراتے ہو مجھ سے پہلے سینکڑوں زمانے گذر گئے لاکھوں کروڑوں انسان مرے میں نے تو کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا ان میں سے ایک بھی تو لوٹ کر خبر دینے نہیں آیا۔ ماں باپ بیچارے اس سے تنگ آکر جناب باری سے اس کی ہدایت چاہتے ہیں اس بارگاہ میں اپنی فریاد پہنچاتے ہیں اور پھر اس سے کہتے ہیں کہ بدنصیب ابھی کچھ نہیں بگڑا، اب بھی مسلمان ہو جا لیکن یہ مغرور پھر جواب دیتا ہے کہ جسے تم مانتے کو کہتے ہو میں تو اسے ایک دیرینہ قصہ ہے زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جیسے گذشتہ جنات اور انسانوں کے زمرے میں داخل ہو گئے جنہوں نے اپنا نقصان بھی کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا۔ اللہ تعالےٰ کے فرمان میں یہاں لفظ اُولٰٓئِكَ ہے حالانکہ اس سے پہلے لفظ وَالَّذِیْ تھا ہے اس سے بھی ہماری تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے عام ہے جو بھی ایسا ہو یعنی ماں باپ کا بے ادب اور قیامت کا منکر اس کے لئے یہی حکم ہے، چنانچہ حضرت حسن اور حضرت قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر فاجر ماں باپ کا نافرمان اور مر کر جی اُٹھنے کا منکر ہے، ابن عساکر کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ چار شخصوں پر اللہ عزّ وجل نے اپنے عرش پر سے لعنت کی ہے اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی ہے جو کسی مسکین کو بہکائے کہے کہ آ میں تجھے کچھ دوں گا اور جب وہ آئے تو کہہ دے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اور جو ماعوں سے کہے حالانکہ اس کے آگے کچھ نہ ہو اور وہ لوگ جو کسی کو اس کے اس سوال کے جواب میں کہ فلاں کا مکان کونسا ہے؟ کسی دوسرے کا مکان بتا دیں اور وہ جو اپنے ماں باپ کو مارے یہاں تک کہ وہ تنگ آجائیں اور چیخ پکار کرنے لگیں۔ پھر فرماتا ہے ہر ایک کے لئے اس کی بُرائی کے مطابق سزا ہے، خدائے تعالےٰ ایک ذرّے کے برابر بلکہ اس سے بھی کم کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں جہنم کے درجے نیچے ہیں اور جنت کے درجے اُونچے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جب جہنمی جہنم پر لا کر کھڑے کئے جائیں گے انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ تم اپنی نیکیاں دنیا ہی میں وصول کر چکے ان سے فائدہ وہیں اٹھا لیا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بہت زیادہ مرغوب اور لطیف غذا سے اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر اجتناب کر لیا تھا اور فرماتے تھے مجھے خوف ہے کہیں میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالےٰ ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ یہ فرمائے گا حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا میں کی ہوئی اپنی نیکیاں قیامت کے دن گم پائیں گے اور ان سے یہی کہا جائے گا۔ پھر فرماتا ہے آج انہیں ذلت کے

؎ یہ تمام واقعات اس تاریک عہد کے ہیں جب بدقسمتی سے مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا تھے اور بعض سازشوں کے تحت ان کا شیرازہ بکھر گیا تھا آج ان واقعات پر غور و فکر اور تاریخی اعتبار سے ان حقائق کا کھوج لگانا قطعی مفید نہیں بلکہ بے اطمینانی کی لہر دوڑا کر بعض اوقات ذہنی تشویش کا باعث بن جاتا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ ان مسائل پر غور نہ کریں۔

عذابوں کی سزا دی جائے گی ان کے تکبر اور ان کے فسق کی وجہ سے، جیسا عمل تھا ویسا ہی بدلہ ملا۔ دنیا میں یہ ناز و نعمت سے اپنی جانوں کو پالنے والے اور نخوت و بڑائی سے اتباعِ حق کو چھوڑنے والے اور برائیوں اور نافرمانیوں میں ہمہ تن مشغول رہنے والے تھے، تو آج قیامت کے دن انہیں اہانت اور رسوائی والے عذاب اور سخت دردناک سزائیں اور ہائے وائے اور افسوس و حسرت کے ساتھ جہنم کے نیچے کے طبقوں میں جگہ ملے گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں سے محفوظ رکھے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ

اور آپ قوم عاد کے بھائی کو یاد کیجئے جبکہ انہوں نے اپنی قوم کو جو کہ ایسے مقام پر رہتے تھے کہ وہاں ریگ کے مستطیل خمدار تودے تھے اس پر ڈرایا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت مت

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

کرو اور ان سے پہلے اور ان کے پیچھے بہت سے ڈرانے والے (پیغمبر) ایسے گذر چکے ہیں مجھ کو تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ

عَظِيمٍ (۱) قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ

ہے وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو سو اگر تم سچے ہو تو جس کا تم ہم سے

الصَّادِقِينَ (۲) قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَ

وعدہ کرتے ہو اس کو ہم پر واقع کر دو۔ انہوں نے فرمایا کہ پورا علم تو خدا ہی کو ہے اور مجھکو تو جو پیغام دیکر بھیجا گیا ہے میں تمکو وہ پہنچا دیتا ہوں لیکن

لَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ (۳) فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَا

میں تمکو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنے وادیوں کے مقابل آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ

لُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ

تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ نہیں نہیں بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب

أَلِيمٌ (۴) تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذَٰلِكَ

ہے وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی چنانچہ وہ ایسے ہوگئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا ہم مجرموں

نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ (۵)

کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں

احقاف کی وادیوں میں دعوتِ حق

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے تو آپ اگلے انبیاء کے واقعات یاد کر لیجئے کہ ان کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی، عادیوں کے بھائی سے مراد حضرت ہود پیغمبر ہیں علیہ السلام والصلوٰۃ۔ انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عادِ اولیٰ کی طرف بھیجا تھا جو احقاف ؏ میں رہتے تھے۔ احقاف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو

؏ جیسا کہ مفسر مرحوم نے لکھا کہ احقاف کے معنے ریگ کے لانبے اور مستطیل تودوں کے ہیں عرب کی آبادی ایسے مقامات پر آبادیوں سے ناآشنا تھی دہنہ عرب جنوب کے اس طویل علاقہ کا نام ہے جو شمال میں عمان سے یمن تک اور جنوب میں نجد سے حضر موت تک ۳ لاکھ مربع میل کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے اس وسیع خطہ کے مغربی حصہ کی زمین سرخ رنگ کے ریگ کی ہے

مطلق پہاڑ اور غار، در حضرموت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی روحیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شحر تھا، یہاں یہ لوگ آباد تھے، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ جب دعا مانگے تو اپنے نفس سے شروع کرے اس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ ہم پر رحم کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے اردگرد کے شہروں میں بھی اپنے رسول مبعوث فرمائے تھے جیسے اور روایت میں ہے فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا اور جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً الخ پھر فرماتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم موحد بن جاؤ ورنہ تمہیں اس بڑے بھاری دن میں عذاب ہوگا جس پر قوم نے کہا کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے روک رہا ہے؟ جا جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے وہ لے آ۔ یہ تو اپنے ذہن میں اسے محال جانتے تھے تو جرأت کر کے جلد طلب کیا جیسے کہ اور آیت میں ہے يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا یعنی ایمان نہ لانے والے ہمارے عذاب کے جلد آنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ ہی کو بہتر علم ہے اگر وہ تمہیں اسی لائق جانے گا تو تم پر عذاب بھیجدے گا۔ میرا منصب تو صرف اتنا ہی ہے کہ میں اپنے رب کی رسالت تمہیں پہنچا دوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور بیوقوف لوگ ہو۔ اب عذاب خدا آ گیا انہوں نے دیکھا کہ ایک کالا ابر ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے چونکہ خشک سالی تھی گرمی سخت تھی، یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور اسی طرف رُخ ہے اب بارش برسے گی، دراصل ابر کی صورت میں یہ وہ قہر الٰہی تھا جس کے آنے کی وہ جلدی مچا رہے تھے اس میں وہ عذاب تھا جسے حضرت ہودؑ سے یہ طلب کر رہے تھے! وہ عذاب ان کی بستیوں کی تمام ان چیزوں کو جن کی بربادی ہونے والی تھی تہس نہس کرتا ہوا آیا اور اسی کا اسے حکم خدا تھا جیسے اور آیت میں ہے مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ یعنی جس چیز پر وہ گزر جاتی تھی اُسے چورا چورا کر دیتی تھی۔ پس سب کے سب ہلاک و تباہ ہو گئے ایک بھی نہ بچ سکا۔ پھر فرماتا ہے ہم اسی طرح ان کا فیصلہ کرتے ہیں جو ہمارے رسولوں کو جھٹلائیں اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کریں۔ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ان کا جو قصہ آیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔ حضرت حارث بکری کہتے ہیں میں علاء بن حضرمی کی شکایت لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا تھا ربذہ میں مجھے بنو تمیم کی ایک بڑھیا ملی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی مجھ سے کہنے لگی اے اللہ کے بندے میرا ایک کام اللہ کے پیغمبر سے ہے کیا تو مجھے حضور تک پہنچا دے گا؟ میں نے اقرار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھا لیا اور مدینہ شریف پہنچا میں نے دیکھا کہ مسجد شریف لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے سیاہ رنگ کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ تلوار لٹکائے حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے مجھ سے کہا حضورؐ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں، ایک طرف بیٹھ گیا جب آنحضورؐ اپنی منزل یا اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں بھی گیا اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر آپ کی خدمت میں باریاب ہوا اسلام علیک کی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے کہا ہاں اور ہم ان پر غالب رہے تھے اور اب میرے اس سفر میں بنو تمیم کی ایک نادار بڑھیا راستے میں مجھے ملی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچاؤں چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں اور وہ دروازہ پر منتظر ہے آپ نے فرمایا اُسے بھی اندر بلا لو چنانچہ وہ آ گئیں میں نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر سکتے ہیں تو اسے کر دیجئے۔ اس پر بڑھیا کو حمیت لاحق ہوئی اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی کہ پھر یا رسول اللہ آپ کا مضطر کہاں قرار کرے گا؟ میں نے کہا سبحان اللہ میری تو وہی مثل ہوئی کہ اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی ماری، مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری ہی دشمنی کرے گی؟ ورنہ میں اسے لاتا ہی کیوں؟ پناہ بخدا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی مثل عادیوں کے قاصد کے ہو جاؤں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ عادیوں کے قاصد کا واقعہ کیا ہے؟ باوجودیکہ حضورؐ اس واقعہ سے بہ نسبت میرے بہت زیادہ واقف تھے لیکن آپ کے فرمان پر میں نے وہ قصہ بیان کیا کہ عادیوں کی بستیوں میں جب سخت قحط سالی ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک قاصد قیل نامی روانہ کیا۔ یہ راستے میں معاویہ بن بکر کے ہاں آکر ٹھیرا اور شراب پینے اور اس کی دونوں کنیزوں کا گانا سننے میں جن کا نام جرادہ تھا اس قدر مشغول ہوا کہ مہینہ بھر تک یہیں پڑا رہا پھر چلا اور جبال مہرہ میں جا کر اس نے دعا کی کہ خدایا تو خوب جانتا ہے میں کسی مریض کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو آیا ہی نہیں الٰہی عادیوں کو وہ پلا جو تو انہیں پلانے والا ہے چنانچہ چند سیاہ رنگ

بادل اُٹھے اور اُن میں سے ایک آواز آئی کہ ان میں سے جسے تو چاہ پسند کر لے چنانچہ اس نے سخت سیاہ بادل کو پسند کیا اسی وقت اس میں آواز آئی کہ اسے راکھ اور خاک بنانے والا کر تا کہ عادیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے۔ کہا اور مجھے جہاں تک علم ہوا ہے یہی ہے کہ ہواؤں کے مخزن میں سے صرف اتنے ہی سوراخ سے ہوا چھوڑی گئی تھی جیسے میری اس انگوٹھی کا حلقہ اسی سے سب ہلاک ہو گئے۔ ابو وائل کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک نقل ہے عرب میں دستور تھا کہ جب کسی قاصد کو بھیجتے تو کہہ دیتے کہ عادیوں کے قاصد کی طرح نہ کرنا۔ یہ روایت ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ جیسے کہ سورہ اعراف کی تفسیر میں گذرا۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کھلکھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے مسوڑے نظر آئیں، آپ تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ لوگ تو ابر و بادل کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے، آپ نے فرمایا عائشہ رضی میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی ایک۔ قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ صحیح بخاری مسلم میں بھی یہ روایت دوسری سند سے موجود ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی آسمان کے کسی کنارے سے ابر اٹھتا ہوا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْهِ خدایا میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے پس اگر کھل جاتا تو اللہ عزوجل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ خَیْرَهَا وَخَیْرَ مَا فِیْهَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ یا اللہ میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اُس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اُس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں اور جب ابر اٹھتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا کبھی اندر کبھی باہر کبھی آتے کبھی جاتے جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ فکرمندی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہ رضی نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ عائشہ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں یہ اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا ہوا دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کرے گا۔ سورۂ اعراف میں عادیوں کی ہلاکت کا اور حضرت ہود کا پورا واقعہ گذر چکا ہے اس لئے ہم اسے یہاں نہیں دہراتے فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ طبرانی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور بادیہ نشینوں پر آئی وہاں سے شہری لوگوں پر آئی جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا لیکن اس میں جنگلی لوگ تھے جو ان شہریوں پر گرا دیئے گئے اور سب ہلاک ہو گئے ہوا کے خزانچیوں پر ہوا کی سرکشی اس وقت اتنی تھی کہ دروازوں کے سوراخوں سے وہ نکلی جا رہی تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ

اور ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو ان باتوں میں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کو کان اور آنکھ اور دل دیئے تھے سو چونکہ

اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ

وہ لوگ آیات الٰہیہ کا انکار کرتے تھے اس لئے نہ ان کے کان ان کے ذرا کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل اور جس کی وہ ہنسی

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى ع

کرتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا اور ہم نے تمہارے آس پاس کی اور بستیاں بھی غارت کی ہیں

وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ○ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ

اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں بتلا دیں تاکہ وہ باز آ جائیں سو خدا تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کو انہوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کو اپنا

دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ○

معبود بنا رکھا ہے انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی۔ بلکہ وہ سب ان سے غائب ہو گئے، اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات ہے۔

ذہنی تصرفات اور اس کی طاقت

ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی امتوں کو جو اسباب دنیوی مال و اولاد وغیرہ ہماری طرف سے دیئے گئے تھے ویسے تو تمہیں اب تک مہیا بھی نہیں ان کے بھی کان، آنکھیں اور دل تھے لیکن جس وقت انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہمارے عذاب کا مذاق اڑایا تو بالآخران کے ظاہری اسباب انہیں کچھ کام نہ آئے اور وہ سزائیں ان پر برس پڑیں جن کی یہ ہمیشہ ہنسی کرتے رہے تھے، پس تمہیں ان کی طرح نہ ہونا چاہئے ایسا نہ ہو کہ ان جیسے عذاب تم پر بھی آ جائیں اور تم بھی ان کی طرح جڑ سے کاٹ دیئے جاؤ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اہل مکہ تم اپنے آس پاس ہی ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ کس قدر قومیں ملیست و نابود کر دی گئی ہیں اور کس طرح انہوں نے اپنے بد عملیوں کے بدلے پائے ہیں۔ احقاف جو یمن کے پاس ہی حضر موت کے علاقہ میں ہے یہاں کے بسنے والے عادیوں کے انجام پر نظر ڈالو، تمہارے اور شام کے درمیان ثمودیوں کا جو حشر ہوا اسے دیکھو، اہل یمن اور اہل مدین کی قوم سبا کے نتیجہ پر غور کرو، تم تو اکثر غزوات اور تجارت وغیرہ کے لئے وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو۔ بحیرہ قوم لوط سے عبرت حاصل کرو وہ بھی تمہارے راستے میں ہی پڑتا ہے پھر فرماتا ہے ہم نے اپنی نشانیوں اور آیتوں کی خوب واضح اور ظاہر کر دیا ہے تاکہ لوگ برائیوں سے بھلائیوں کی طرف لوٹ آئیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے خدائے تعالیٰ کے سوا جن معبودان باطل کی پرستش شروع کر رکھی تھی گو اس میں ان کا اپنا خیال یہ تھا کہ ان کی وجہ سے ہم قرب خدا حاصل کریں گے لیکن کیا ہمارے عذابوں کے وقت جبکہ ان کو ان کی مدد کی پوری ضرورت تھی انہوں نے ان کی کسی طرح مدد کی؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کی احتیاج اور مصیبت کے وقت وہ تو گم ہو گئے ان سے بھاگ گئے ان کا پتہ بھی نہ چلا۔ الغرض ان کا پوجنا صریح غلطی تھی محض جھوٹ تھا اور صاف افترا اور فضول بہتان تھا کہ یہ انہیں معبود سمجھ رہے تھے، پس ان کی عبادت کرنے میں اور ان پر اعتماد کرنے میں یہ دھوکہ میں اور نقصان میں ہی رہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا

اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض جب وہ لوگ قرآن کے پاس آ پہنچے کہنے لگے کہ

اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ○ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا

خاموش رہو، پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے۔ کہنے لگے کہ اے بھائیو ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں

اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِیْقٍ

جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی

مُّسْتَقِیْمٍ ○ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

کرتی ہے اے بھائیو اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا

وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۵ وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ

اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھے گا　اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانیگا　تو وہ　زمین میں　ہرا نہیں سکتا

وَلَیْسَ لَہٗ مِنْ دُوْنِہٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۶

اور خدا کے سوا کوئی اس کا حامی بھی نہ ہوگا　ایسے لوگ صریح　گمراہی میں ہیں۔

جنات میں دعوت اسلام

مسند امام احمد میں حضرت زبیرؓ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ یہ واقعہ نخلہ کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز عشاء ادا کر رہے تھے، یہ سب جنات سمٹ کر آپ کے اردگرد بھیڑ کی شکل میں کھڑے ہو گئے، ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ یہ جنات نصیبین کے تھے تعداد میں سات تھے کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت ابن عباسؓ ہے کہ نہ تو حضورؐ نے جنات کو سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا نہ آپ نے انہیں دیکھا آپ تو اپنے صحابہؓ کے ساتھ عکاظ کے بازار جا رہے تھے۔ ادھر یہ ہوا تھا کہ شیاطین کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ ہو گئی تھی اور ان پر شعلے برسنے شروع ہو گئے تھے۔ شیاطین نے آ کر اپنی قوم کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا کوئی نہ کوئی نئی بات ہوئی ہے جاؤ تلاش کرو، پس یہ نکل کھڑے ہوئے ان میں کی جو جماعت عرب کی طرف متوجہ ہوئی تھی وہ جب یہاں پہنچی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوق عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخلہ میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، ان کے کانوں میں جب آپ کی تلاوت کی آواز پہنچی تو یہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر بغور سننے لگے اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارا آسمانوں تک پہنچنا موقوف کر دیا گیا ہے۔ یہاں سے یہ فوراً ہی واپس لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے، ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا رہبر ہے، ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اقرار کرتے ہیں کہ اب ناممکن ہے کہ خدا کے ساتھ ہم کسی اور کو شریک کریں۔ اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو سورۂ جن میں دی۔ یہ حدیث بخاری مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔ مسند میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جنات وحی الٰہی سنا کرتے تھے ایک کلمہ جب ان کے کان میں پڑ جاتا تو وہ اس میں دسؔ اور ملا لیا کرتے، پس وہ ایک تو حق نکلتا باقی سب باطل نکلتے اور اس سے پہلے ان پر تارے پھینکے نہیں جاتے تھے۔ پس جب حضورؐ مبعوث ہوئے تو ان پر شعلہ باری ہونے لگی، یہ اپنے بیٹھنے کی جگہ پہنچتے اور ان پر شعلہ گرتا اور یہ ٹھہر نہ سکتے، انہوں نے آ کر ابلیس سے یہ شکایت کی تو اس نے کہا کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے چنانچہ اس نے اپنے لشکریوں کو اس کی تحقیقات کے لئے ہر طرف پھیلا دیا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے پایا اور جا کر اسے خبر دی، اس نے کہا بس یہی وجہ ہے جو آسمان محفوظ کر دیا گیا اور تمہارا جانا بند ہوا۔ یہ روایت ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ حسن بصریؒ کا قول بھی یہی ہے کہ اس واقعہ کی خبر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھی جب آپ پر وحی آئی تب آپ کو یہ معلوم ہوا۔ سیرت ابن اسحاق میں محمد بن کعب کا ایک لمبا بیان منقول ہے جس میں حضورؐ کا طائف جانا، انہیں اسلام کی دعوت دینا ان کا انکار کرنا وغیرہ پورا واقعہ بیان ہے۔ حضرت حسن نے اس دعا کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اس تنگی کے وقت کی تھی جو یہ ہے اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۝ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۝ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ ۝ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی صَدِیْقٍ قَرِیْبٍ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ غَضَبٌ عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَکَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ یَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُکَ اَوْ یَحِلَّ بِیْ سَخَطُکَ وَلَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ یعنی اپنی کمزوری اور بے سروسامانی اور کس مپرسی کی شکایت صرف تیرے سامنے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو دراصل سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والا ہے اور کمزوروں کا رب تو ہی ہے میرا پالنہار بھی تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کو سونپ

رہا ہے، کسی دوری والے دشمن کو جو مجھے عاجز کر دے، یا کسی قرب والے دوست کو جسے تو نے میرے بارے کا اختیار دے رکھا ہو، اگر تیری کوئی خفگی مجھ پر نہ ہو تو مجھے اس درد دکھ کی کوئی پرواہ نہیں لیکن تاہم اگر تو مجھے عافیت کے ساتھ ہی رکھے تو وہ میرے لئے بہت ہی راحت رساں ہے، میں تیرے چہرے کے اس نور کے باعث جس کی وجہ سے تمام اندھیریاں جگمگا اٹھی ہیں اور دین و دنیا کے تمام امور کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے تجھ سے اس بات کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھ پر تیرا عتاب اور تیرا غصہ نازل ہو یا تیری ناراضگی مجھ پر آجائے، مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت تیری ہی مدد سے ہے۔ اسی سفر کی واپسی میں آپ نے نخلہ میں رات گذاری اور اسی رات قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نصیبین کے جنات نے آپ کو سنا، یہ ہے تو صحیح لیکن اس میں یہ قول تامل طلب ہے اس لئے کہ جنات کا کلام اللہ شریف سننے کا واقعہ وحی شروع ہونے کے زمانہ کا ہے، جیسے کہ ابن عباسؓ کی اوپر بیان کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے اور آپ کا طائف جانا اپنے چچا ابو طالب کے انتقال کے بعد ہوا ہے، جو ہجرت کے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال پہلے کا واقعہ ہے جیسے کہ سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں ہے واللہ اعلم ابن ابی شیبہ میں ان جنات کی گنتی نو کی ہے جن میں سے ایک کا نام زوبعہ ہے۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، پس یہ روایت اور اس سے پہلے کی حضرت ابن عباس کی روایت کا اقتضا یہ ہے کہ اس مرتبہ جو جن آئے تھے انکی موجودگی کا حضور کو علم نہ تھا، یہ تو آپ کی بے خبری میں ہی آپ کی زبانی قرآن سن کر واپس لوٹ گئے اس کے بعد بطور وفد فوجیں کی فوجیں اور جتھے کے جتھے ان کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جیسے کہ اس ذکر کے احادیث و آثار اپنی جگہ آرہے ہیں انشاء اللہ بخاری مسلم میں ہے حضرت عبد الرحمنؒ نے حضرت مسروق سے پوچھا کہ جس رات جنات نے حضورؐ سے قرآن سنا تھا اس رات کس نے حضورؐ سے ان کا ذکر کیا تھا؟ تو فرمایا مجھ سے تیرے والد حضرت ابن مسعودؓ نے کہا ہے، ان کی آگاہی حضور کو ایک درخت نے دی تھی، تو ممکن ہے کہ یہ خبر پہلی دفعہ کی ہو اور اثبات کو ہم نفی پر مقدم مان لیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب وہ سن رہے تھے آپ کو تو کوئی خبر نہ تھی، یہاں تک کہ اس درخت نے آپ کو ان کے اجتماع کی خبر دی۔ واللہ اعلم اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے بعد والے کئی واقعات میں سے ایک ہو، واللہ اعلم، امام حافظ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ تو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا نہ خاص ان کے سنانے کے لئے قرآن پڑھا ہاں البتہ اس کے بعد جن آپ کے پاس آئے اور آپ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ عزوجل کی طرف بلایا جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔ اس کی روایتیں سنیئے، حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی اس رات حضورؐ کے ساتھ موجود تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی نہ تھا آپ رات بھر ہم سے غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر بار بار یہی خیال گذرا کرتا تھا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دیا[1] یا خدانخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ایسا ہی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا، وہ رات ہماری بڑی بری طرح کٹی، صبح صادق سے کچھ ہی پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا سے واپس آرہے ہیں پس ہم نے رات کی اپنی ساری کیفیت بیان کر دی۔ تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا جس کے ساتھ جا کر میں نے انہیں قرآن سنایا چنانچہ آپ ہمیں لیکر گئے اور ان کے نشانات اور ان کی آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔ شعبیؒ کہتے ہیں انہوں نے آپ سے توشہ طلب کیا تھا عامر کہتے ہیں یعنی کھانے کے لئے اور یہ جن جزیرے کے تھے تو آپ نے فرمایا ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو وہ تمہارے ہاتھوں میں پہلے سے زیادہ گوشت والی ہو کر پڑے گی، اور لید اور گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا۔ پس اے مسلمانو! ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس رات حضورؐ کو نہ پا کر ہم بہت ہی گھبرائے تھے اور تمام وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کر آئے تھے اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا آج رات میں جنات کو قرآن سناتا رہا اور جنوں میں ہی اسی شغل میں رات گذاری۔ ابن جریر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے آج کی رات جنات کے امر میں میرے ساتھ رہے

[1] یہ وہ وقت تھا کہ مکہ میں کفار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح مغلوب کرنے کی سازشوں میں مصروف تھے۔

پس میں موجود ہو گیا آپ مجھے لیکر چلے جب مکہ شریف کے اونچے کے حصے میں پہنچے تو آپ نے اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچ دیا اور مجھ سے فرمایا بس یہیں بیٹھے رہو پھر آپ چلے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرأت شروع کی پھر تو اس قدر جماعت آپ کے ارد گرد ٹھٹ لگا کر کھڑی ہو گئی کہ میں تو آپ کی قرأت سننے سے بھی رہ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جس طرح ابر کے ٹکڑے پھٹتے ہیں اس طرح وہ ادھر ادھر جانے لگے اور یہانتک کہ اب بہت تھوڑے باقی رہ گئے۔ پس حضورؐ صبح کیوقت فارغ ہوئے اور آپ وہاں سے دور نکل گئے اور حاجت سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے وہ باقی کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ یہی ہیں پس آپ نے انہیں ہڈی اور لید دی۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو ان دونوں چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرما دیا۔ اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ جہاں حضورؐ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو بٹھایا تھا وہاں بٹھا کر فرما دیا تھا کہ خبردار یہاں سے نکلنا نہیں ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے صبح کے وقت آ کر ان سے دریافت کیا کہ کیا تم سو گئے تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں خدا کی قسم میں نے تو کئی مرتبہ چاہا کہ لوگوں سے فریاد کروں لیکن میں نے سن لیا کہ آپ انہیں اپنی لکڑی سے دھمکا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ حضورؐ نے فرمایا اگر تم یہاں سے باہر نکلتے تو مجھے تو خوف تھا کہ ان میں کے بعض تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اچھا تم نے کچھ دیکھا بھی؟ میں نے کہا ہاں لوگ تھے سیاہ انجان خوفناک سفید کپڑے پہنے ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ نصیبین کے جن تھے انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا پس میں نے ہڈی اور لید گوبر دیا میں نے پوچھا حضورؐ اس سے انہیں کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا ہر ہڈی ان کے ہاتھ لگتے ہی ایسی ہو جائے گی جیسے اس وقت تھی جب کھائی گئی تھی یعنی گوشت والی ہو کر انہیں ملے گی اور لید میں بھی وہی دانے پائیں گے جو اُس روز تھے جب وہ دانے کھائے گئے تھے پس ہم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے نکل کر ہڈی لید اور گوبر سے استنجا نہ کرے۔ اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا پندرہ جنات جو آپس میں چچا زاد اور پھوپی زاد بھائی ہیں آج رات مجھ سے قرآن سننے کے لئے آنے والے ہیں۔ اس میں ہڈی اور لید کے ساتھ کوئلے کا لفظ بھی ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں دن نکلے میں اسی جگہ گیا تو دیکھا کہ وہ کوئی ساٹھ اونٹ بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب جنات کا اژدحام ہو گیا تو ان کے سردار وردان نے کہا یا رسول اللہ میں انہیں ادھر ادھر کر کے آپ کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہوں تو آپ نے فرمایا اللہ سے زیادہ مجھے کوئی بچانے والا نہیں۔ آپ فرماتے ہیں جنات والی رات میں مجھ سے حضورؐ نے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا حضور پانی تو نہیں البتہ ایک ڈولچی میں نبیذ ہے تو حضورؐ نے فرمایا عمدہ کھجوریں اور پاکیزہ پانی (ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ) مسند احمد کی اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اس سے وضو کراؤ چنانچہ آپ نے وضو کیا اور فرمایا یہ تو پینے کی اور پاک چیز ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب آپ لوٹ کر آئے تو سانس پڑھ رہا تھا میں نے پوچھا حضور کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس میرے انتقال کی خبر آئی ہے۔ یہی حدیث قدرے زیادتی کے ساتھ حافظ ابو نعیم کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی ہے۔ اس میں ہے کہ میں نے یہ سنکر کہا پھر یا رسول اللہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کر جائیے آپ نے کہا کس کو؟ میں نے کہا ابو بکر کو اس پر آپ خاموش ہو گئے چلتے چلتے پھر کچھ دیر بعد یہی حالت طاری ہوئی میں نے وہی سوال کیا آپ نے وہی جواب دیا میں نے خلیفہ مقرر کرنے کو کہا آپ نے پوچھا کسے؟ میں نے کہا عمر کو (رضی اللہ عنہ) اس پر آپ پھر خاموش ہو گئے۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر یہی حالت اور یہی سوال جواب ہوئے اب کی مرتبہ میں نے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پیش کیا تو آپ فرمانے لگے اس قسم کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر لوگ ان کی اطاعت کریں تو سب جنت میں چلے جائیں۔ لیکن یہ حدیث بالکل ہی غریب ہے[*] اور بہت ممکن ہے کہ یہ محفوظ نہ ہو اور

---

[*] جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے خود ہی اس حدیث کی صحت کیطرف سے شبہ کا اظہار کیا واقعہ یہ ہے کہ یہ بالکل موضوع روایت ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے بارے میں کوئی نص صریح حکم آپؐ کا ہوتا تو اُمت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہرگز ہرگز منتخب نہ کرتی۔

کو صحت تسلیم کر لی جائے تو اس واقعہ کو مدینہ کا واقعہ ماننا پڑے گا۔ وہاں بھی آپ کے پاس جنوں کے وفود آئے تھے جیسے کہ ہم عنقریب انشاء اللہ تعالےٰ بیان کریں گے اس لئے کہ آپ کا آخری وقت فتح مکہ کے بعد تھا جبکہ دینِ خدا میں انسانوں اور جنوں کی فوجیں کی فوجیں داخل ہو گئیں اور سورۃ اذا جاء الخ اتر چکی جس میں آپ کو خبرِ انتقال دی گئی تھی، جیسے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اس پر موافقت ہے جو حدیثیں ہم اسی سورۃ کی تفسیر میں لائینگے۔ انشاء اللہ واللہ اعلم۔ مندرجہ بالا حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے لیکن اس کی اسناد بھی غریب اور سیاق بھی غریب ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں یہ جنات جزیرۂ موصل کے تھے ان کی تعداد بارہ ہزار کی تھی۔ ابن مسعودؓ اس خط کشیدہ جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن جنات کے کھجوروں کے درختوں کے برابر کے قد و قامت وغیرہ دیکھکر ڈر گئے اور بھاگ جانا چاہا لیکن فرمانِ رسولؐ یاد آگیا کہ اس حد سے باہر نہ نکلنا، جب حضورؐ سے یہ ذکر آیا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس حد سے باہر آجاتے تو قیامت تک ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو سکتی۔ اور روایت میں ہے کہ جنات کی یہ جماعت جن کا ذکر آیت واذ صرفنا الخ میں ہے نینوای کی تھی آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ انہیں قرآن سناؤں، تم میں سے میرے ساتھ کون چلے گا اس پر سب خاموش ہو گئے، دوبارہ پوچھا پھر خاموشی رہی تیسری مرتبہ دریافت کیا تو قبیلۂ ہذیل کے شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ تیار ہوئے حضورؐ انہیں ساتھ لے کر حجون کی گھاٹی میں گئے، ایک لکیر کھینچ کر انہیں یہاں بٹھا دیا اور آپ آگے بڑھ گئے یہ دیکھنے لگے کہ گدھوں کی طرح کے زمین سے بالکل قریب اڑتے ہوئے کچھ جانور سے آرہے ہیں، تھوڑی دیر بعد بڑا غل غپاڑہ سنائی دینے لگا یہاں تک کہ مجھے حضورؐ کے بارے میں ڈر لگنے لگا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے کہا کہ حضورؐ یہ غل شور کیا تھا؟ آپ نے فرمایا ان کے ایک مقتول کا قصہ تھا جس میں ان کا اختلاف تھا ان کے درمیان صحیح فیصلہ کر دیا گیا۔ یہ واقعات صاف ہیں کہ حضورؐ نے قصداً جاکر جنات کو قرآن سنایا انہیں اسلام کی طرف دعوت دی اور جن مسائل کی اس وقت انہیں ضرورت تھی وہ سب بتا دیئے ہاں پہلی مرتبہ جب جنات نے آپ کی زبانی قرآن سنا اس وقت آپ کو نہ معلوم تھا نہ آپ نے انہیں سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا۔ جیسے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے بعد وہ وفود کی صورت میں آئے اور حضورؐ عمداً تشریف لے گئے اور انہیں قرآن سنایا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت نہ تھے جبکہ آپ نے ان سے بات چیت کی انہیں اسلام کی دعوت دی البتہ کچھ فاصلے پر دور بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ اس واقعہ میں سوائے حضرت ابن مسعودؓ کے اور کوئی نہ تھا اور دوسری تطبیق ان روایات میں جن میں ہے کہ آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ تھے اور جن میں ہے کہ نہ تھے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلی دفعہ نہ تھے دوسری مرتبہ تھے۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی منقول ہے کہ نخلہ میں جن جنات نے آپ سے ملاقات کی تھی وہ نینوی کے تھے اور مکہ شریف میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے وہ نصیبین کے تھے اور یہ جو روایتوں میں آیا ہے کہ ہم نے وہ رات بہت بری طرح بسر کی اس سے مراد ابن مسعود کے سوا اور صحابہؓ ہیں جنہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ حضورؐ جنات کو قرآن سنانے گئے ہیں۔ لیکن اس تاویل کو دل قبول نہیں کرتا واللہ اعلم۔ بیہقی میں ہے کہ حضورؐ کی حاجت اور وضو کے لئے آپ کے ساتھ ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ پانی کی ڈولچی لئے ہوئے جایا کرتے تھے ایک دن یہ پیچھے پیچھے پہنچے آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ میں ابو ہریرہ ہوں فرمایا میرے استنجے کے لئے پتھر لاؤ لیکن ہڈی اور لید نہ لانا میں اپنی جھولی میں پتھر بھر لایا اور آپ کے پاس رکھ دیئے، جب آپ فارغ ہو چکے اور چلنے لگے میں بھی آپ کے پیچھے چلا اور پوچھا حضورؐ کیا وجہ ہے؟ جو آپ نے ہڈی اور لید سے منع فرمایا؟ آپ نے جواب دیا میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا تھا اور انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا تو میں نے اللہ تبارک وتعالےٰ سے دعا کی کہ وہ جس لید اور ہڈی پر گذریں اسے طعام پائیں۔ صحیح بخاری میں بھی اسی کے قریب قریب روایت ہے پس یہ حدیث اور اس سے پہلے کی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ جنات کا وفد آپ کے پاس اس کے بعد بھی آیا تھا۔ اب ہم ان حدیثوں کو بیان کرتے ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ جنات آپ کے پاس کئی دفعہ حاضر ہوئے ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے جو روایت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے اس کے سوا بھی آپ سے دوسری سند سے منقول ہے ابن جریر میں ہے آپ فرماتے ہیں یہ سات جن تھے نصیبین کے رہنے والے انہیں خدا کے رسول نے اپنی طرف سے قاصد بنا کر

جنات کی طرف بھیجا تھا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں یہ جنات تعداد میں سات تھے نصیبین کے تھے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو اہل حران سے کہا اور چار کو اہل نصیبین سے، ان کے نام یہ ہیں۔ حسّیٰ، حسا، منسیٰ، شاخر، ناخراد، دانیان، احتم، ابو حمزہ ثمالیؒ فرماتے ہیں انہیں بنو شیصبان کہتے ہیں، یہ قبیلہ جنات کے اور قبیلوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا اور یہ ان میں نسب کے بھی شریف مانے جاتے تھے۔ اور عموماً یہ ابلیس کے لشکروں میں سے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ نو تھے ان میں سے ایک کا نام زوبعہ تھا، اصل نخلہ سے آئے تھے، بعض حضرات سے مروی ہے کہ یہ پندرہ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ اونٹوں پر آئے تھے اور ان کے سردار کا نام وردان تھا اور کہا گیا ہے کہ تین سو تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ بارہ ہزار تھے۔ ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ چونکہ وفود کئی ایک آئے تھے ممکن ہے کہ کسی میں چھ سات نو ہی ہوں کسی میں زیادہ کسی میں اس سے بھی زیادہ اس پر دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ جس چیز کی نسبت جب کبھی کہتے کہ میرے خیال میں یہ اس طرح ہوگی تو وہ عموماً اسی طرح نکلتی۔ ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک حسین شخص گذرا، آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا اگر میرا گمان غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلیت کے زمانے میں ان لوگوں کا کاہن تھا جانا ذرا اسے لے آنا جب وہ آ گیا تو آپ نے اپنا یہ خیال اس پر ظاہر فرمایا وہ کہنے لگا مسلمانوں میں اس ذہانت و فطانت کا کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنی کوئی صحیح اور سچی خبر سنا اس نے کہا بہت اچھا سنئے میں جاہلیت کے زمانہ میں ان کا کاہن تھا میرے پاس میرا جن جو سب سے زیادہ تعجب خیز خبر لایا وہ سُنئے، میں ایک مرتبہ بازار میں جا رہا تھا کہ وہ آ گیا۔ وہ سخت گھبراہٹ میں تھا اور کہنے لگا کیا تو نے جنوں کی بربادی مایوسی اور ان کا پھیلنے کے بعد سمٹ جانا اور ان کی دُرگت نہیں دیکھی حضرت عمر فرمانے لگے یہ سچا ہے میں ایک مرتبہ ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا ایک شخص نے وہاں ایک بچھڑا چڑھایا کہ ناگہاں ایک سخت پُر زور آواز آئی ایسی کہ اتنی بڑی بلند اور کرخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی اس نے کہا اے جلیح نجات دینے والا امر آ چکا ایک شخص ہے جو فصیح زبان سے لا الٰہ الا اللہ کی منادی کر رہا ہے۔ سب لوگ تو مارے ڈر کے بھاگ گئے لیکن میں وہیں بیٹھا رہا کہ دیکھوں آخر یہ ہے کیا؟ کہ دوبارہ پھر اسی طرح وہی آواز سنائی دی اور اس نے وہی کہا۔ پس کچھ ہی دن گذرے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آوازیں ہمارے کانوں میں پڑنے لگیں۔ اس روایت کے ظاہرا الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت فاروقؓ نے یہ آواز اس ذبح شدہ بچھڑے سے سنی اور ایک ضعیف روایت میں صریح طور پر آ بھی گیا ہے۔ لیکن باقی اور روایتیں یہ بتلا رہی ہیں کہ اسی کاہن نے اپنے دیکھنے سننے کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا واللہ اعلم، امام بیہقیؒ نے یہی کہا ہے اور یہی کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا جو شخص اس واقعہ کی پوری تفصیل دیکھنا چاہتا ہو وہ میری کتاب سیرۃ عمرؓ دیکھ لے۔ واللہ الحمد والمنۃ۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے یہی وہ کاہن ہو جس کا ذکر بغیر نام کے صحیح حدیث میں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ منبر نبویؐ پر ایک مرتبہ خطبہ سنا رہے تھے اسی میں پوچھا کیا سواد بن قارب یہاں موجود ہیں لیکن اس پورے سال تک کسی نے ہاں نہیں کہی اگلے سال آپ نے پھر پوچھا تو حضرت براءؓ نے کہا سواد بن قارب کون ہے؟ اس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب و غریب ہے ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں جو حضرت سواد بن قاربؓ آ گئے، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا سواد اپنے اسلام کا ابتدائی قصہ کہہ سناؤ، آپ نے فرمایا ہاں سنئے میں ہند گیا ہوا تھا میرا ساتھی جن ایک رات میرے پاس آیا میں اس وقت سویا ہوا تھا مجھے اس نے جگا دیا اور کہنے لگا اٹھ اور اگر کچھ عقل و ہوش ہیں تو سن لے اور سمجھ لے اور سوچ لے، قبیلہ لوئی بن غالب میں سے خدا کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں، میں جنات کی حس اور ان کے بوریہ بستر باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں، اگر تو طالب ہدایت ہے تو فوراً مکے کی طرف کوچ کر۔ سمجھ لے کہ بہتر اور بدتر جن یکساں نہیں، جا جلدی جا اور بنو ہاشم کے اس دلارے کے منور مکھڑے پر نظریں تو ڈال لے۔ مجھے پھر غنودگی سی آ گئی تو اس نے دوبارہ جگایا اور کہنے لگا اے سواد بن قارب اللہ عزوجل نے اپنا رسول بھیجا ہے، تم ان کی خدمت میں پہنچو اور ہدایت اور بھلائی سمیٹ لو، دوسری رات پھر آیا، اور مجھے جگا کر کہنے لگا مجھے جنات کے جستجو کرنے اور جلد جلد پالان اور جھولیں کسنے پر تعجب معلوم ہوتا ہے۔ اگر تو بھی ہدایت کا طالب ہے تو مکے کا قصد کر

بھلے کہ اس کے دونوں قدم اس کی دُمیں کی طرح نہیں، تو اٹھ اور جلدی جلدی بنو ہاشم کے اس پسندیدہ شخص کی خدمت میں پہنچ اور اپنی آنکھیں اس کے دیدار سے منور کر۔ تیسری رات پھر آیا اور کہنے لگا مجھے جنات کے باخبر ہو جانے اور ان کے قافلوں کے فوراً تیار ہو جانے پر تعجب آ رہا ہے، وہ سب طلب ہدایت کے لئے مکہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں، ان میں کے بُرے بھلوں کی برابری نہیں کر سکتے، تو بھی اٹھ اور اس بنو ہاشم کے چیدہ شخص کی طرف چل کھڑا ہو، مومن جنات کافروں کی طرح نہیں۔ تین راتوں تک برابر یہی سنتے رہنے کے بعد میرے دل میں بھی دفعۃً اسلام کا ولولہ اٹھا اور حضورؐ کی وقعت اور محبت سے دل پُر ہو گیا، میں نے اپنی سانڈنی پر کجاوہ کسا اور بغیر کسی اور جگہ قیام کے سیدھا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت شہر مکہ میں تھے اور لوگ آپ کے آس پاس ایسے تھے جیسے گھوڑے پر ایال، مجھے دیکھتے ہی یکبارگی اللہ کے پیغمبرؐ نے فرمایا سواد بن قارب کو مرحبا ہو آؤ ہمیں معلوم ہے کہ کیسے اور کس لئے اور کس کے کہنے سننے سے آ رہے ہو، میں نے کہا حضورؐ میں نے کچھ اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ آپ نے فرمایا سواد شوق سے کہو تو حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے میرے پاس میرا جن میرے سو جانے کے بعد رات کو آیا اور اس نے مجھے ایک سچی خبر پہنچائی تین راتیں برابر وہ میرے پاس آتا رہا اور ہر رات کہتا رہا کہ لوئی بن غالب میں اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی اور جلدہ جلدہ راہ طے کرتا یہاں پہنچ بھی گیا، اب میری گواہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کوئی رب نہیں، اور آپ خدا کے امانتدار رسول ہیں، آپ سے شفاعت کا آسرا سب سے زیادہ ہے، اے بہترین بزرگوں اور پاک لوگوں کی اولاد اے تمام رسولوں سے بہتر رسول جو حکم آسمانی آپ ہمیں پہنچائیں گے وہ کتنا ہی مشکل اور طبیعت کے خلاف کیوں نہ ہو ناممکن کہ ہم اسے ٹال دیں، آپ قیامت کے دن ضرور میرے سفارشی بننا کیونکہ وہاں بجز آپ کے سواد بن قارب کا سفارشی اور کون ہوگا؟ اس پر حضور بہت ہنسے اور فرمانے لگے سواد تم نے فلاح پالی حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر پوچھا کیا وہ جن اب بھی تیرے پاس آتا ہے؟ اس نے کہا جب سے میں نے قرآن پڑھا وہ نہیں آتا ہے اور اللہ کا بڑا شکریہ ہے کہ اس کے عوض میں نے رب کی پاک کتاب پائی اور اب جس حدیث کو ہم حافظ ابو نعیم کی کتاب دلائل النبوۃ سے نقل کرتے ہیں اس میں بھی اس کا بیان ہے کہ مدینہ شریف میں بھی جنات کا وفد حضورؐ کی خدمت میں باریاب ہوا تھا حضرت عمرو بن غیلان ثقفی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر ان سے دریافت کرتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جس رات جنات کا وفد حاضرِ حضور ہوا تھا اس رات حضورؐ کے ساتھ آپ بھی تھے؟ جواب دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے کہا ذرا واقعہ تو سنائیے۔ فرمایا صفہ والے مساکین صحابہؓ کو لوگ اپنے اپنے ساتھ شام کا کھانا کھلانے کے لئے لے گئے اور میں یونہی رہ گیا میرے پاس سے حضورؐ کا گذر ہوا پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابن مسعود۔ فرمایا تمہیں کوئی لے نہیں گیا؟ فرمایا اچھا میرے ساتھ چلو شاید کچھ مل جائے تو دے دوں گا میں ساتھ ہو لیا، آپ حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں گئے میں باہر ہی ٹھہر گیا۔ تھوڑی دیر میں اندر سے ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی حضور فرماتے ہیں ہم نے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں پائی تم اپنی خوابگاہ چلے جاؤ میں واپس مسجد میں آ گیا اور مسجد میں کنکریوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر کر کے اس پر سر رکھ کر اپنا کپڑا لپیٹ کر سو گیا تھوڑی ہی دیر گذری ہوگی جو وہی لونڈی پھر آئیں اور کہا رسول خدا آپ کو یاد فرما رہے ہیں ساتھ ہو لیا اور مجھے امید پیدا ہو گئی کہ اب تو کھانا ضرور ملے گا جب میں اپنی جگہ پہنچا تو حضور گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں کھجور کے درخت کی ایک ترچھڑی تھی جسے میرے سینے پر رکھ کر فرمانے لگے جہاں میں جا رہا ہوں کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟ میں نے کہا انشاء اللہ ضرور چلوں گا تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوئے پھر آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلنے لگا۔ تھوڑی دیر میں بقیع غرقد جا پہنچے پھر قریب قریب وہی بیان ہے جو اوپر کی روایتوں میں گذر چکا ہے اس کی اسناد غریب ہے اور اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ دلائل نبوت میں حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ لائے ہیں کہ مدینہ کی مسجد میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا کی اور لوٹ کر لوگوں سے کہا آج رات کو جنات کے وفد کی طرف تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا؟ کسی نے جواب نہ دیا تین مرتبہ کے فرمان پر بھی کوئی نہ بولا حضور میرے پاس سے گذرے اور میرا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے چلے مدینہ کے پہاڑوں سے بہت آگے نکل کر صاف چٹیل میدان میں پہنچ گئے، اب نیزوں کے برابر لانبے لانبے قد کے آدمی نیچے نیچے کپڑے پہنے ہوئے آنے شروع ہوئے میں تو انہیں دیکھ کر مارے ڈر کے کانپنے لگا۔ پھر اور واقعہ مثل حدیث ابن مسعود

کے بیان کیا۔ یہ حدیث بھی غریب ہے واللہ اعلم۔ اسی کتاب میں ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ کے ساتھی حج کو جا رہے تھے راستے میں ہم نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ سانپ راستے میں لوٹ رہا ہے اور اس سے مشک کی خوشبو اڑ رہی ہے۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم تو سب جاؤ میں یہاں ٹھیر جاتا ہوں دیکھوں تو اس سانپ کا کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ چل دیئے اور میں ٹھیر گیا تھوڑی ہی دیر گذری ہوگی جو وہ سانپ مرگیا میں نے ایک سفید کپڑا لیکر اس میں لپیٹ کر راستے کے ایک طرف دفن کر دیا اور رات کے کھانے کے وقت اپنے قافلے میں پہنچ گیا۔ خدا کی قسم میں بیٹھا ہوا تھا جو چار عورتیں مغرب کی طرف سے آئیں ان میں سے ایک نے پوچھا عمرو کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا کون عمرو؟ اس نے کہا تم میں سے کسی نے ایک سانپ کو دفن کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں میں نے دفن کیا ہے؟ کہنے لگی قسم ہے خدا کی تم نے بڑے روزے دار بڑے پختہ نمازی کو دفن کیا ہے جو تمہارے نبی کو مانتا تھا اور جس نے آپ کے نبی ہونے سے چار سو سال پیشتر آسمان سے آپ کی صفت سنی تھی ابراہیم کہتے ہیں اس پر ہم نے اللہ تبارک وتعالےٰ کی حمد وثنا کی پھر حج سے فارغ ہو کر جب ہم فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچے اور میں نے آپ کو یہ سارا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا اس عورت نے سچ کہا میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھ پر ایمان لایا تھا میری نبوت کے چار سو سال پہلے یہ حدیث بھی غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ دفن کفن کرنے والے حضرت صفوان بن معطلؓ تھے کہتے ہیں کہ یہ صاحب جو یہاں دفن کئے گئے یہ ان نو جنات میں سے ایک ہیں جو حضورؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے وفد بن کر آئے تھے۔ ان کا انتقال ان سب سے اخیر میں ہوا۔ ابو نعیم میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے امیر المومنین میں ایک جنگل میں تھا، میں نے دیکھا کہ دو سانپ آپس میں خوب لڑ رہے ہیں یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اب میں انہیں چھوڑ کر جہاں معرکہ ہوا تھا وہاں گیا دیکھا تو بہت سے سانپ قتل کئے ہوئے پڑے ہیں اور بعضوں سے اسلام کی خوشبو آرہی ہے، پس میں نے ایک ایک کو سونگھنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک زرد رنگ کے دبلے پتلے سانپ میں سے مجھے اسلام کی خوشبو آنے لگی۔ میں نے اپنے عمامے میں لپیٹ کر اسے دفنا دیا، اب میں چلا جا رہا تھا جو میں نے ایک آواز سنی کہ اے اللہ کے بندے تجھے خدا کی طرف سے ہدایت دی گئی۔ یہ دونوں سانپ جنات کے قبیلہ بنو شعیبان اور بنو قیس میں سے تھے، ان دونوں میں جنگ ہوئی اور پھر جس قدر قتل ہوئے وہ تم نے خود دیکھ لئے انہی میں ایک شہید جنہیں تم نے دفن کیا وہ تھے جنہوں نے خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وحیٔ الٰہی سنی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس قصے کو سن کر فرمانے لگے اے شخص اگر تو سچا ہے تو اس میں شک نہیں کہ تو نے عجب واقعہ دیکھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کا بوجھ تجھ پر ہے۔ اب آیت کی تفسیر سنئے ارشاد ہے کہ جب ہم نے آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو لے آئے جو قرآن سن رہا تھا۔ جب وہ حاضر ہوگئے اور تلاوت شروع ہونے کو تھی تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو یہ ادب سکھایا کہ خاموشی سے سنو۔ ان کا ایک اور ادب بھی حدیث میں آیا ہے، ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کے سامنے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی پھر فرمایا کیا بات ہے؟ جو تم سب خاموش ہی رہے، تم سے تو بہت اچھے جواب دینے والے جنات ثابت ہوئے جب بھی میرے منہ سے انہوں نے یہ آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ سنی تو انہوں نے جواب میں کہا وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَائِکَ اَوْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ پھر فرماتا ہے جب فراغت حاصل کی گئی قُضِیَ کے معنی ان آیتوں میں بھی یہی ہیں فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ اور فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اور فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ اور وہ اپنی قوم کو دھمکانے اور انہیں آگاہ کرنے کے لئے واپس ان کی طرف چلے۔ جیسے اللہ عزوجل وعلا کا فرمان ہے لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ الخ یعنی وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب واپس اپنی قوم کے پاس پہنچیں تو انہیں بھی ہوشیار کر دیں بہت ممکن ہے کہ وہ بچاؤ اختیار کر لیں۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنات میں بھی خدا کی باتوں کے پہنچانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن ان میں سے رسول نہیں بنائے گئے یہ بات بلاشک ثابت ہے کہ جنوں میں پیغمبر نہیں۔ فرمان باری ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّا رِجَالًا الخ یعنی ہم نے تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب بستیوں کے رہنے والے انسان ہی تھے جن کی طرف ہم اپنی وحی بھیجا کرتے تھے اور آیت میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا

قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت قرآن میں ہے وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ یعنی ہم نے ان کی اولاد میں نبوۃ اور کتاب رکھدی، پس آپ کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ آپ ہی کے خاندان اور آپ ہی کی نسل میں سے ہوئے ہیں۔ لیکن سورۂ انعام کی آیت يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یعنی اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آتے تھے؟ اس کا مطلب اور اس سے مراد یہ دونوں جنس ہیں پس اس کا مصداق صرف ایک جنس ہی ہو سکتی ہے جیسے فرمان ہے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ یعنی ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے، حالانکہ دراصل ایک میں سے ہی نکلتا ہے اب بیان ہو رہا ہے جنات کے اس وعظ کا جو انہوں نے اپنی قوم میں کیا۔ فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو سنا ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی کتاب انجیل کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ دراصل توراۃ کا تکملہ تھی اس میں زیادہ تر وعظ کے اور دل کو نرم کرنے کے بیانات تھے، حرام حلال کے مسائل بہت کم تھے، پس اصل چیز توراۃ ہی رہی اسی لئے ان مسلم جنات نے اسی کا ذکر کیا اور اسی بات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ورقہ بن نوفل نے جس وقت حضور کی زبانی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اول دفعہ آنے کا حال سنا تو کہا تھا کہ واہ واہ یہی تو وہ مبارک وجود خدا کے بھیدی کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے، کاش کہ میں کچھ اور زمانہ زندہ رہتا الخ پھر قرآن کی اور صفت بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلے کی تمام آسمانی کتابوں کو سچا بتلاتا ہے وہ اعتقادی مسائل اور قصص واقعات میں حق کی جانب رہبری کرتا ہے اور اعمال میں راہ راست دکھاتا ہے۔ قرآن میں دو چیزیں ہیں یا خبر یا طلب، پس اس کی خبر سچی اور اس کی طلب عدل والی۔ جیسے فرمان ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا یعنی تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کے لحاظ سے بالکل پورا ہی ہے اور آیت میں اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ۔ وہ خدا جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ پس ہدایت نفع دینے والا علم ہے اور دین حق نیک عمل ہے یہی مقصد جنات کا تھا، پھر کہتے ہیں اے ہماری قوم خدا کے داعی کی دعوت پر لبیک کہو۔ اس میں دلالت ہے اس امر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس کی دونوں جماعتوں کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے کہ آپ نے جنات کو خدا کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی وہ سورت پڑھی جس میں ان دونوں جماعتوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے نام احکام جاری فرمائے ہیں اور وعدہ وعید بیان کیا ہے یعنی سورۂ اَلرَّحْمٰنُ۔ پھر فرماتے ہیں ایسا کرنے سے وہ تمہارے بعض گناہ بخش دے گا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب لفظ مِنْ کو زائدہ نہ مانیں، چنانچہ ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے۔ اور قاعدے کے مطابق اثبات کے موقعہ پر لفظ مِنْ بہت ہی کم زائد آتا ہے اور اگر زائد مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ تمہارے گناہ فرمائے گا اور تمہیں اپنے المناک عذابوں سے رہائی دے گا۔ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ ایماندار جنوں کو بھی جنت نہیں ملیگی، ہاں عذاب سے وہ چھٹکارا پالیں گے یہی ان کی نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے اور اگر اس سے زیادہ مرتبہ بھی انہیں ملنے والا ہوتا تو اس مقام پر یہ مؤمن جن اسے ضرور بیان کر دیتے حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ مؤمن جن جنت میں نہیں جائیں گے اس لئے کہ وہ ابلیس کی اولاد سے ہیں اور اولاد ابلیس جنت میں نہیں جائے گی۔ لیکن حق یہ ہے کہ مؤمن جن مثل ایماندار انسانوں کے ہیں اور وہ جنت میں جگہ پائیں گے جیسا کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ بعض لوگوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ یعنی حوران بہشتی کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان کا ہاتھ لگا نہ کسی جن کا۔ لیکن اس استدلال میں تامل ہے۔ اس سے بہت بہتر استدلال تو اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ یعنی جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لئے دو دو جنتیں ہیں، پھر اے جنو اور انسانو تم اپنے پروردگار کی کونسی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ اس آیت میں اللہ تعالےٰ انسانوں اور جنوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ان کے نیک کار کا بدلہ جنت ہے اور اس آیت کو سنکر مسلمان انسانوں سے بہت زیادہ شکریہ

مسلمان جنوں نے کیا اور اسے سنتے ہی کہا کہ خدایا ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کے منکر نہیں. ہم تیرے بہت بہت شکر گذار ہیں، ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ان کے سامنے ان پر وہ احسان جتایا جائے جو دراصل انہیں ملنے کا نہیں اور بھی ہماری ایک دلیل سنئے جب کافر جنات کو جہنم میں ڈالا جائے گا جو مقام عدل ہے تو مومن جنات کو جنت میں کیوں نہ لے جایا جائے؟ جو مقام فضل ہے بلکہ یہ بہت زیادہ لائق اور بطور اولیٰ ہونے کے قابل ہے اور اس پر وہ آیتیں بھی دلیل ہیں جن میں عام طور پر ایمان داروں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، مثلاً اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا وغیرہ وغیرہ یعنی ایمان داروں کا مہمان خانہ یقیناً جنتِ فردوس ہے الحمد للہ میں نے اس مسئلہ کو بہت کچھ وضاحت کے ساتھ اپنی ایک مستقل تصنیف میں بیان کر دیا ہے اور سنئے جنت کا تو یہ حال ہے کہ ایمانداروں کے کل کے داخل ہو جانے کے بعد بھی اس میں بیحد و حساب جگہ بچ رہے گی اور پھر ایک نئی مخلوق پیدا کر کے انہیں اس میں آباد کیا جائے گا پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایماندار اور نیک عمل والے جنات جنت میں نہ بھیجے جائیں اور سنئے یہاں دو باتیں بیان کی گئی ہیں گناہوں کی بخشش اور عذابوں سے رہائی اور جب یہ دونوں چیزیں ہیں تو یقیناً یہ مستلزم ہیں دخولِ جنت کو اس لئے کہ آخرت میں یا جنت ہے یا جہنم، پس جو شخص جہنم سے بچا لیا گیا وہ قطعاً جنت میں جانا چاہئے اور کوئی نصِ صریح یا ظاہر اس بات کے بیان میں وارد نہیں ہوئی کہ مومن جن باوجود دوزخ سے بچ جانے کے جنت میں، نہیں جائیں گے، اگر کوئی اس قسم کی صاف دلیل ہو تو بیشک ہم اس کے ماننے کے لئے تیار ہیں. واللہ اعلم، نوح علیہ السلام کو دیکھئے اپنی قوم سے فرماتے ہیں خدا تمہارے گناہوں کو (بوجہ ایمان لانے کے) بخش دے گا اور ایک وقتِ مقرر تک تمہیں مہلت دے گا. تو یہاں بھی دخولِ جنت کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت نوحؑ کی قوم کے مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ بالاتفاق وہ سب جنتی ہیں، پس اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے، اب چند اور اقوال بھی اس مسئلہ میں سن لیجئے. حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بیچ جنت میں تو پہنچیں گے نہیں البتہ کناروں پر ادھر ادھر رہیں گے، بعض لوگ کہتے ہیں جنت میں تو وہ ہوں گے لیکن دنیا کے بالکل برعکس انسان انہیں دیکھیں گے اور یہ انسانوں کو دیکھ نہیں سکیں گے، بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ جنت میں کھائیں گے پئیں گے نہیں صرف تسبیح و تحمید و تقدیس ان کا طعام ہو گا جیسے فرشتے اس لئے کہ یہ بھی انہی کی جنس سے ہیں، لیکن ان تمام اقوال میں نظر ہے اور سب بے دلیل ہیں. پھر مومن واعظ فرماتے ہیں کہ جو خدا کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کرے گا وہ زمین میں خدا کو ہرا نہیں سکتا بلکہ قدرتِ خدا اس پر شامل اور اسے گھیرے ہوئے ہے، اس کے عذاب سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا، یہ کھلے بہکاوے میں ہیں. خیال فرمایئے کہ تبلیغ کا یہ طریقہ کتنا پیارا اور کس قدر مؤثر ہے، رغبت بھی دلائی اور دھمکایا بھی، اسی لئے ان میں کے اکثر ٹھیک ہو گئے اور قافلے کے قافلے اور فوجیں کی فوجیں بن کر کئی کئی بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اسلام قبول کیا، جیسے کہ پہلے مفصلاً ہم نے بیان کر دیا ہے. جس پر ہم جناب باری کے احسان کے شکر گذار ہیں. واللہ اعلم.

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ

کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا

بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَيَوْمَ

وہ اس پر قدرت رکھتا ہو کہ مردوں کو زندہ کر دے کیوں نہ ہو بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جس روز

يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ

وہ کافر لوگ دوزخ کے سامنے لا جاویں گے کیا یہ دوزخ امر واقعی نہیں ہے وہ کہیں گے کہ ہم کو اپنے پروردگار

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا

کی قسم ضرور امر واقعی ہے ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کے بدلے میں اس کا عذاب چکھو۔ تو آپ صبر کیجئے جیسے اور ہمت والے

الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْ

پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے لئے انتقام (الہٰی) کی جلدی نہ کیجئے۔ اور جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا

عَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا

ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو گویا یہ لوگ دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں یہ پہنچا دینا ہے۔ سو وہی برباد ہوں گے

الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

جو نافرمانی کریں گے

فاسقین پر خدا کی لعنت

اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے جو مرنے کے بعد جینے کے منکر ہیں اور قیامت کے دن جسموں سمیت جی اُٹھنے کو محال جانتے ہیں یہ نہیں دیکھا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کل آسمانوں کو اور تمام زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش نے اسے کچھ نہ تھکایا[1] بلکہ صرف کلمہ کن کے کہنے سے ہی ہو گئیں کون تھا جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا یا مخالفت کرتا بلکہ حکمبرداری سے راضی خوشی ڈرتے دبتے سب موجود ہو گئے، کیا اتنی کامل قدرت وقوت والا مردوں کے زندہ کر دینے کی سکت نہیں رکھتا؟ چنانچہ دوسری آیت میں ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ یعنی انسانوں کی پیدائش سے تو مشکل اور اہم پیدائش آسمان وزمین کی ہے لیکن اکثر لوگ بے سمجھ ہیں۔ جب زمین وآسمان کو اس نے پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کرنا خواہ ابتداءً ہو خواہ دوبارہ ہو اس کے لئے کیا مشکل ہے؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہاں وہ ہر شے پر قادر ہے اور انہی میں سے موت کے بعد زندہ کرنا ہے کہ اس پر بھی وہ قطعی طور پر قادر ہے۔ پھر خداوند جل وعلا کافروں کو دھمکاتا ہے کہ قیامت والے دن جہنم میں ڈالے جائیں اس سے پہلے جہنم کے کنارے پر انہیں کھڑا کر کے ایک مرتبہ اور لاجواب اور بے حجت کیا جائے گا اور کہا جائے گا کیوں جی ہمارے وعدے اور یہ دوزخ کے عذاب تو صحیح نکلے یا اب بھی شک وشبہ اور ماانکار وتکذیب ہے؟ یہ جادو تو نہیں تمہاری آنکھیں تو اندھی نہیں ہو گئیں جو دیکھ رہے ہو صحیح دیکھ رہے ہو یا درحقیقت صحیح نہیں؟ اب سوائے اقرار کے کچھ نہ بن پڑے گا جواب دیں گے کہ ہاں ہاں سب حق ہے جو کہا گیا تھا وہی نکلا قسم خدا کی اب ہمیں رتی برابر بھی شک نہیں، اللہ فرمائے گا اب دو گھڑی پہلے کے کفر کا مزہ چکھو۔ پھر اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ کی قوم نے اگر آپ کو جھٹلایا آپ کی قدر نہ کی آپ کی مخالفت کی ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو یہ کوئی نئی بات نہیں؟ اگلے اولوالعزم پیغمبروں کو یاد کرو کیسی کیسی ایذائیں مصیبتیں اور تکلیفیں سہیں[2]؟ اور کن کن زبردست مخالفوں کی مخالفت کو صبر سے برداشت کیا، ان رسولوں

---

[1] یہ تردید ہے یہود اور عیسائیوں کے اس عقیدہ کی کہ خدا تعالیٰ نے چھ روز میں کائنات کو پیدا کیا اور پھر وہ تھک گیا اور ساتویں روز اس کو آرام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ [2] محققین نے کہا ہے کہ صبر بدرجہ کمال صرف انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے دیگر افراد امت نہ اس درجہ کا صبر کر سکتے اور نہ وہ اس کے مکلف۔

کے نام یہ ہیں نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ عیسیٰؑ اور خاتم الانبیاء، اللّٰہم صل علیہم اجمعین۔ انبیاء کے بیان میں ان کے نام خصوصیت سے سورۂ احزاب اور سورۂ شوریٰ میں مذکور ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولوالعزم رسول سے مراد سب پیغمبر ہوں تو مِنَ الرُّسُلِ کا مِنْ بیانِ جنس کے لئے ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا پھر بھوکے ہی رہے پھر روزہ رکھا پھر بھوکے ہی رہے اور پھر روزہ رکھا پھر فرمانے لگے عائشہؓ محمدؐ اور آل محمدؐ کے لائق تو دنیا ہے ہی نہیں۔ عائشہ دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرنے اور دنیا کی خواہش کی چیزوں سے خود کو بچائے رکھنے کا حکم اولوالعزم رسول کو دیا گیا ہے اور وہی تکلیف مجھے بھی دی گئی ہے جو ان عالی ہمت رسولوں کو دی گئی تھی قسم خدا کی میں بھی انہی کی طرح اپنی طاقت بھر صبر و تحمل سے ہی کام لوں گا اللہ کی قوت کے بھروسہ پر یہ بات زبان سے نکال رہا ہوں۔ پھر فرمایا اے نبیؐ یہ لوگ عذاب میں مبتلا کئے جائیں اس کی جلدی نہ کرو جیسے اور آیت میں ہے فَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ الخ مجھے اور ان جھٹلانے والوں پیٹ بھروں مالداروں کو چھوڑ دے اور انہیں کچھ مہلت دے۔ اور فرمان فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ یعنی کافروں کو مہلت دو انہیں تھوڑی دیر چھوڑ دو، پھر فرماتا ہے جس دن یہ ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیں گے جن کے وعدے آج دئے جاتے ہیں اس دن انہیں یہ معلوم ہونے لگے گا کہ دنیا میں صرف دن کا کچھ ہی حصہ گذارا ہے اور آیت میں ہے كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا یعنی جس دن یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک شام ہی گذاری تھی وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ یعنی جس دن ہم انہیں جمع کریں گے تو یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ گویا دن کی ایک ساعت ہی دنیا میں رہے تھے۔ پھر فرمایا پہنچا دینا ہے، اس کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ دنیا کا ٹھیرنا صرف ہماری طرف سے ہماری باتوں کے پہنچا دینے کے لئے تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ قرآن صرف پہنچا دینے کے لئے ہے۔ یہ کھلی تبلیغ ہے۔ پھر فرماتا ہے سوائے فاسقوںؑ کے اور کوئی تباہ ہونے والا نہیں۔ یہ اللہ جل وعلا کا عدل ہے کہ جو خود ہلاک ہوا اسے ہی وہ ہلاک کرتا ہے، عذاب اسی کو ہوتے ہیں جو خود اپنے ہاتھوں اپنے لئے عذاب مہیا کرے اور خود کو مستحق عذاب کر دے۔ واللہ اعلم

تفسیر سورۂ قتال

(یعنی سورۂ محمدؐ) مدنیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے رستہ سے روکا خدا نے ان کے عمل کالعدم کر دیئے اور جو لوگ

ع فاسق سے صرف گنہ گار ہی مراد نہیں بلکہ کافر بھی مراد ہیں جن کے لئے تبلیغ اسلام بیکار رہی مدارک میں ہے کہ (بقیہ صفحہ ۳۱ پر ملاحظہ ہو)

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ

ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کے پاس سے امر واقعی ہے اللہ

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا

تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتار دے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ یہ اسی وجہ سے کہ کافر تو غلط رستہ پر چلے

الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ

اور اہل ایمان صحیح رستہ پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں

اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

کے لئے ان کے حالات بیان فرماتا ہے۔

وہ فساق جن پر خدا کی لعنت ہوگی

ارشاد ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے خود بھی اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور دوسروں کو بھی راہ خدا سے روکا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے ان کی نیکیاں بیکار ہو گئیں، جیسے فرمان ہے ہم نے ان کے اعمال پہلے سے ہی غارت و برباد کر دیئے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے دل سے اور مطابق شرع اعمال کئے بدن سے یعنی ظاہر باطن دونوں خدا کی طرف جھکا دیئے اور اس وحی الٰہی کو بھی مان لیا جو موجودہ آخر الزمان پیغمبر پر اتاری گئی ہے اور جو فی الواقع رب کی طرف سے ہی ہے اور جو سراسر حق و صداقت ہی ہے۔ ان کی برائیاں برباد ہیں اور ان کے حال کی اصلاح کا ذمہ دار خود خدا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے نبی ہو چکنے کے بعد ایمان کی شرط آپ پر اور قرآن پر ایمان لانا بھی ہے۔ حدیث میں حکم ہے کہ جس کی چھینک پر حمد کرنے کا جواب دیا گیا ہو اسے چاہیئے کہ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ کہے یعنی خدا تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت سنوارے۔ پھر فرماتا ہے کفار کے اعمال غارت کر دینے کی اور مومنوں کی برائیاں معاف فرما دینے اور ان کی شان سنوار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کفار تو ناحق کو اختیار کرتے ہیں حق کو چھوڑ کر اور مومن ناحق کو پرے پھینک کر حق کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے انجام کو بیان فرماتا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ

سو تمہارا جب کفار سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مار دو یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو تو خوب مضبوط

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰ ملاحظہ ہو) ۵ای المشرکون الخامجون عن الاعتقاد بہ والعمل بموجبہ ۶ سے اس بے بضاعت کا خیال ہے کہ سورہ احقاف کے خاتمہ پر جن فساق کے لئے ہلاکت کی اطلاع دی گئی تھی سورہ محمد میں انہیں کی نشاندہی کی گئی ہے الذین کفروا فی الکفر۔
ے یہ اصلاح احوال دنیا میں اعمال صالحہ کی توفیق کی صورت میں اور آخرت میں نجات کی شکل میں ہوگی۔

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ

باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لیکر چھوڑ دینا جب تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھدیں

أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَ

یہ حکم (جہاد کا جو مذکور ہوا) بجالانا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا لیکن تاکہ تم میں ایک دوسرے کے

بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ○

ذریعہ سے امتحان کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ○ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ○ يَا أَيُّهَا

اللہ تعالیٰ انکو مقصود تک پہنچا دیگا اور انکی حالت درست رکھیگا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جسکی ان کو پہچان کرادیگا۔ اے

الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ○ وَالَّذِينَ

ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا اور جو لوگ

كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ

کافر ہیں ان کے لئے تباہی ہے اور ان کے اعمال کو خدا تعالیٰ کالعدم کردیگا۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کے اتارے ہوئے

اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ○

احکام کو ناپسند کیا سو اللہ تعالیٰ نے انکی اعمال کو اکارت کردیا

فساق کی ہلاکت اور اسکا عالم اسباب میں انتظار

یہاں ایمانداروں کو جنگی احکام دیے جاتے ہیں کہ جب کافروں سے مڈبھیڑ ہوجائے اور دستی لڑائی شروع ہوجائے تو ان کی گردنیں اُڑاؤ تلوار چلا کر گردن دھڑ سے اُڑادو۔ پھر جب دیکھو کہ دشمن ہارا اس کے آدمی کافی کٹ چکے تو باقیماندہ کو مضبوط قید و بند کے ساتھ مقید کرلو، جب لڑائی ختم ہوچکے اور معرکہ پورا ہوجائے تو پھر تمہیں (صرف دو باتوں کا) اختیار ہے۔ یا قیدیوں کو بطور احسان بغیر کچھ لئے ہی چھوڑ دو یا ان سے تاوانِ جنگ وصول کرکے چھوڑ دو۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے غزوے کے بعد یہ آیت اُتری ہے کیونکہ بدر کے معرکہ میں زیادہ تر مخالفین کو قید کرنے اور قید کرنے کی کمی کرنے میں مسلمانوں پر عتاب کیا گیا تھا، اور فرمایا تھا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ الخ نبی کو لائق نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ ایک مرتبہ جی کھول کر مخالفین میں موت کی گرم بازاری نہ ہوئے کیا تم دنیوی اسباب کی تمنا میں ہو؟ اللہ کا ارادہ تو آخرت کا ہے اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔ اگر پہلے ہی سے خدا کا لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو تم نے لیا اس کی بابت تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ اختیار منسوخ ہے اور یہ آیت ناسخ ہے فَإِذَا انْسَلَخَ الخ

شُهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ الخ یعنی حرمت والے مہینے جب گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ وہیں قتل کرو الخ لیکن اکثر علماء کا فرمان ہے کہ منسوخ نہیں۔ اب بعض تو کہتے ہیں کہ امام کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یعنی یا تو احسان رکھکر چھوڑ دے یا فدیہ لیکر چھوڑ دے لیکن بعض کہتے ہیں کہ قتل کر ڈالنے کا بھی اختیار ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بدر کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرا دیا تھا اور یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ثمامہ بن اُثال رضؓ نے جب کہ وہ اسیری کی حالت میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تھا کہ کہو ثمامہ کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا اگر آپ قتل کریں گے تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ احسان رکھیں گے تو ایک شکر گذار پر احسان رکھیں گے اور اگر مال طلب کرتے ہیں تو جو آپ مانگیں ملجائیگا حضرت امام شافعی رحؒ ایک چوتھی بات کا بھی اختیار بتلاتے ہیں یعنی قتل کا احسان کا بدلے کا اور غلام بنا کر رکھ لینے کا۔ اس مسئلے کی تفصیل فروعی مسائل کی کتابوں میں ملیگی۔ اور ہم نے بھی خدا کے فضل و کرم سے کتاب الاحکام میں اس کے دلائل بیان کردیئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یعنی بقولِ مجاہد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نازل ہوجائیں۔ ممکن ہے حضرت مجاہد کی نظر میں اس حدیث پر ہوں جس میں ہے میری امت ہمیشہ حق کے ساتھ ظاہر رہے گی یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال سے لڑے گا مسند احمد اور نسائی میں ہے کہ حضرت سلمہ بن نفیل رضؓ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے میں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور ہتھیار الگ کر دیئے اور لڑائی سے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور میں نے کہہ دیا کہ اب لڑائی ہے ہی نہیں، حضورؐ نے انہیں فرمایا اب لڑائی آگئی میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ لوگوں پر ظاہر رہے گی جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے یہ ان سے لڑیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے روزیاں دے گا یہاں تک کہ خدا کا امر آجائے اور وہ اسی حالت پر ہوں گے مومنوں کی زمین شام میں ہے، گھوڑوں کی ایال میں قیامت تک کے لئے خیر رکھ دی ہے یہ حدیث امام بغوی رحؒ نے بھی ذکر کی ہے اور حافظ ابو یعلی موصلی نے بھی اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو لوگ اس آیت کو منسوخ نہیں بتلاتے گویا کہ یہ حکم مشروع ہے جب تک کہ لڑائی باقی رہے گی یہ آیت مثل اس آیت کے ہے وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ الخ یعنی ان سے لڑائی رہو جب تک کہ فتنہ باقی ہے اور جب تک کہ دین اللہ ہی کے لئے نہ ہو جائے۔ حضرت قتادہ رضؓ فرماتے ہیں لڑائی کے ہتھیار رکھ دینے سے مراد شرک کا باقی نہ رہنا ہے اور بعض سے منقول ہے کہ مراد یہ ہے کہ مشرکین اپنے شرک سے توبہ کرلیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کوشش خدا کی اطاعت میں صرف کرنے لگ جائیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو آپ ہی کفار کو برباد کر دیتا اپنے پاس سے ان پر عذاب بھیجدیتا لیکن وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں آزمائے اسی لئے جہاد کے احکام جاری فرمائے ہیں۔ سورۂ آلِ عمران اور براءت میں بھی اس مضمون کو بیان کیا ہے آلِ عمران میں ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ بغیر اس بات کے خدا جان لے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں اور تم میں سے صبر کرنے والے کون ہیں تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ سورۂ براءۃ میں ہے قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ الخ ان سے جہاد کرو اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب کرے گا اور تمہیں ان پر نصرت عطا فرمائے گا اور ایمان والوں کے سینے شفا والے کر دے گا اور اپنے دلوں کے ولولے نکالنے کا انہیں موقعہ دے گا اور جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا اللہ بڑا علیم و حکیم ہے۔ اب چونکہ یہ بھی تھا کہ جہاد میں مومن بھی شہید ہوں اس لئے فرماتا ہے کہ شہیدوں کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر ثواب انہیں دیئے جائیں گے بعض کو تو قیامت تک کے ثواب ملیں گے مسند احمد کی حدیث میں ہے۔ کہ شہید کو چھ انعامات حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی اس کے کل گناہ معاف ہوجاتے

لہ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ لونڈی غلام کے بارے میں یہ آخری حکم ہے اس کے بعد ان کا رکھنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ممنوع ہوگیا ہے لیکن جمہور باوجود اس کے بھی لونڈی غلام کے جواز کے قائل ہیں ۱۲ م۔

ہیں۔ اسے اس کا جنت کا مکان دکھلایا جاتا ہے۔ اور نہایت خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کرا دیا جاتا ہے۔ وہ بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہتا ہے۔ وہ عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔ اُسے ایمان کے زیور سے آراستہ کر دیا جاتا ہے ایک اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے۔ جو در و یاقوت کا جڑاؤ ہوتا ہے جس میں کا ایک یاقوت تمام دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے گراں بہا ہے اسے بہتر[ع] حورعین ملتی ہیں اور اپنے خاندان کے ستر شخصوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے سوائے قرض کے شہیدوں کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں شہید کے فضائل کی حدیثیں اور بھی بہت ہیں۔ پھر فرماتا ہے انھیں خدا جنت کی راہ سمجھا دیگا۔ اور جیسے۔ یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ الخ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کئے ان کے ایمان کے باعث ان کا رب انہیں جنتوں کی طرف رہبری کریگا جو نعمتوں سے پر ہیں اور جن کے نیچے نیچے پیارے چشمے بہ رہے ہیں۔ اللہ ان کے حال اور ان کے کام سنوار دے گا۔ اور جن جنتوں کو پہلے ہی وہ پہچنوا چکا ہے اور جن کی طرف ان کی رہبری کر چکا ہے آخر کار انہی میں انہیں پہنچائے گا یعنی ہر شخص اپنے مکان اور اپنی جگہ کو جنت میں اس طرح پہچان لیگا جیسے دنیا میں پہچان لیا کرتا تھا انہیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے گی یہ معلوم ہوگا گویا شروع پیدائش سے یہیں مقیم ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جس انسان کے ساتھ اس کے اعمال کا محافظ جو فرشتہ تھا وہی اس کے آگے آگے چلے گا جب یہ اپنی جگہ پہنچیگا تو از خود پہچان لے گا کہ میری جگہ یہی ہے یونہی پھر اپنی زمین میں سیر کرتا ہوا جب سب دیکھ چکے گا تب فرشتہ ہٹ جائے گا اور یہ اپنی لذتوں میں مشغول ہو جائے گا۔ صحیح بخاری کی مرفوع حدیث میں ہے جب مؤمن آگ سے چھوٹ جائیں گے تو جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لئے جائیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر جو مظالم تھے ان کے بدلے اتار لئے جائیں گے جب بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت مل جائے گی، قسم خدا کی جس طرح تم میں سے ہر ایک شخص اپنے دنیوی گھر کی راہ جانتا ہے اور گھر کو پہچانتا ہے اس سے بہت زیادہ وہ لوگ اپنی منزل اور اپنی جگہ سے واقف ہوں گے پھر فرماتا ہے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا، جیسے اور جگہ ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی کرے اس لئے کہ جیسا عمل ہوتا ہے اسی جنس کی جزا ہوتی ہے اور وہ تمہارے قدم بھی مضبوط کر دے گا۔ حدیث میں ہے جو شخص کسی اختیار والے کے سامنے ایک ایسے حاجتمند کی حاجت پہنچائے جو خود وہاں نہ پہنچ سکتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالےٰ پل صراط پر اس کے قدم مضبوطی سے جما دے گا۔ پھر فرماتا ہے کافروں کا حال بالکل برعکس ہے یہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں گے حدیث میں ہے دینار و درہم اور کپڑے لتے کا بندہ ٹھوکر کھا گیا وہ برباد ہوا اور ہلاک ہوا، وہ اگر بیمار پڑ جائے تو خدا کرے اسے شفا بھی نہ ہو، ایسوں کے نیک اعمال بھی اکارت ہیں، اس لئے کہ یہ قرآن حدیث سے ناخوش ہیں نہ اس کی عزت و عظمت ان کے دل میں نہ ان کا قصد و تسلیم کا ارادہ۔ پس ان کے جو کچھ اچھے کام تھے اللہ نے انہیں بھی غارت کر دیئے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی

دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ

اور ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے۔

ع ایمان کے بہتر شعبے ہیں شہید نے اپنی جان فی سبیل اللہ دے کر ان بہتر شعبوں کی تصدیق کر دی گویا کہ ہر شعبہ کے عوض میں اس کو ایک حور ملی۔

ع۱۱ ۵

ءَامَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ

انہوں نے اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل کریگا جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی. اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور اس طرح کھاتے

وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ وَكَأَيِّن مِّن

ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم ان لوگوں کا ٹھکانا ہے اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں

قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝

جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں اس کے رہنے والوں نے آپکو گھر سے بے گھر کر دیا ہم نے انکو ہلاک کر دیا سو کوئی مددگار نہ

کفار کا مکمل استیصال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہیں زمین کی سیر[عہ] نہیں کی؟ جو یہ معلوم کر لیتے اور اپنی آنکھوں دیکھ لیتے کہ ان سے اگلے جو ان جیسے تھے ان کے انجام کیا ہوئے؟ کس طرح وہ تاخت و تاراج کر دیئے گئے اور ان میں سے صرف اسلام و ایمان والے ہی نجات پا سکے. کافروں کے لئے اسی مثال عذاب آیا کرتے ہیں، پھر بیان فرماتا ہے مسلمانوں کا خود خدا ولی ہے اور کفار بے ولی ہیں[عہ]. اسی لئے احد والے دن مشرکین کے سردار ابو سفیان صخر بن حرب نے فخر کے ساتھ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلفاء کی نسبت سوال کیا اور کوئی جواب نہ دیا تو کہنے لگا کہ یہ سب ہلاک ہو گئے پھر اسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور فرمایا جن کی زندگی تجھے خار کی طرح کھٹکتی ہے، اللہ نے ان سب کو اپنے فضل سے زندہ ہی رکھا ہے. ابو سفیان کہنے لگا سنو یہ دن بدلے کا دن ہے اور لڑائی تو مثل ڈولوں کے ہے کبھی کوئی اوپر کبھی کوئی اوپر تم اپنے مقتولین میں بعض ایسے بھی پاؤ گے جن کے ناک کان وغیرہ ان کے مرنے کے بعد کاٹ لئے گئے ہیں میں نے ایسا حکم نہیں دیا تھا لیکن مجھے کچھ برا بھی نہیں لگا. پھر اس نے رجز کے اشعار فخریہ پڑھنے شروع کئے کہنے لگا اُعْلُ هُبَلْ اُعْلُ هُبَلْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے پوچھا حضورؐ کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ یعنی وہ کہتا تھا ہبل بت کا بول بالا ہو جس کے جواب میں کہا گیا سب سے زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت و کرم والا اللہ ہی ہے. ابو سفیان نے پھر کہا لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ہمارا عزیٰ بت ہے اور تمہارا نہیں. اس کے جواب میں بفرمان حضورؐ کہا گیا اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا مولیٰ کوئی نہیں پھر جناب باری خبر دیتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جنت نشین ہوں گے اور کفر کرنے والے دنیا میں اگرچہ نفع اٹھائیں گے لیکن ان کا اصلی ٹھکانا جہنم ہے. دنیا میں ان کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور پیٹ بھرنا ہے اسے یہ لوگ مثل جانور کے پورا کر رہے ہیں جس طرح وہ ادھر ادھر منہ مار کر گیلا سوکھا پیٹ میں بھرنے کا

[عہ] یہ سیر چل پھر کر بھی ہو سکتی ہے اور دیدہ عبرت تاریخ کے مطالعہ قوموں کے حالات اور امم کے تذکروں سے بھی گھر بیٹھے ہو سکتی ہے. [عہ] ولی کا مطلب حامی، مددگار، خاص ہے ورنہ ظاہر ہے کہ رزق رسانی، وغیرہ میں جس طرح مومنین کے لئے وہ رزاق ہے ایسے ہی کفار کے لئے بھی.

بجا ارادہ رکھتا ہے اسطرح یہ ہے کہ حلال حرام کی اسے کچھ تمیز نہیں، پیٹ بھرنا مقصود ہے[ه] حدیث شریف میں ہے مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں[ع] جزا والے دن اپنے اس کفر کی پاداش میں ان کے لئے جہنم کی گوناگوں سزائیں ہیں۔ پھر کفار مکہ کو دھمکاتا ہے اور اپنے عذاب سے ڈراتا ہے کہ دیکھو جو لوگ تم سے بہت زیادہ طاقت قوت والے تھے اُن کو ہم نے بسبب ہمارے نبیوں کے جھٹلانے اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے تہس نہس کر دیا تو تم جو ان سے کمزور اور کم طاقت ہو اس رسول کو جھٹلاتے اور ایذائیں پہنچاتے ہو جو خاتم الانبیاء اور سید الرسل ہیں سمجھ لو کہ تمہارا انجام کیا ہوگا؟ مانا کہ اس نبی رحمت کے مبارک وجود کی وجہ سے اگر دنیوی عذاب تم پر نہ بھی آئے تو اُخروی زبردست عذاب تو تم سے دُور نہیں ہو سکتے؟ جب اہل مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالا اور آپ غار میں روپوش ہو گئے اس وقت مکہ کی طرف توجہ کی اور فرمانے لگے اے مکہ تو تمام شہروں سے زیادہ خدا کو پیارا ہے اور اسی طرح مجھے بھی تمام شہروں سے زیادہ پیارا تو ہے اگر مشرکین مجھے تجھ میں سے نہ نکالتے تو میں ہرگز نہ نکلتا پس تمام حد سے گذرنے والوں میں سے سب سے بڑا حد سے گزر جانے والا وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی حدوں سے آگے نکل جائے حرم خدا میں، یا اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کرے یا جاہلیت کے تعصب کی بنا پر قتل کرے، پس اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اُتاری۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَ

تو جو لوگ اپنی پروردگار کے دائم راستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی انکو مستحسن معلوم ہوتی ہے اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے

هُم مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَ

ہوں۔ جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا۔ اور

أَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَ

بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جنکا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا۔ اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ۔۔ اور

أَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ

بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی کیا

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ○

ایسے لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی انکو پینے کو دیا جائے گا سو وہ اُنکی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

ه شبہ یہ پیدا ہو کر کفار بھی با مقصد زندگی گذار سکتے ہیں۔ پھر قرآن مجید نے ان کے متعلق یہ کیا کہہ دیا؟ بات اصل میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں زندگی با مقصد وہی ہے جو ایمان کیساتھ آخرت کو سنوارنے کے لئے صرف ہو رہی ہو۔ دنیا دین و دنیا کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے جدوجہد اسلام اور خدا تعالےٰ کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

ع بعض کفار یقیناً مسلمانوں سے کم ہی کھاتے ہوں گے، پھر اس حدیث کی صحت پر کیونکر اعتماد کیا جائے جواب دیا ہے کہ کفار کا کھانا برائے کھانا ہے۔ اور مؤمن کی خورد و نوش کا مقصد عبادت الٰہی کے لئے طاقت اور خدائی نظام کو قائم کرنے کے لئے قوت ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے۔

فردوس بریں کی بہترین نعمتیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص دینِ خدا میں یقین کے درجے تک پہنچ چکا ہو، جسے بصیرت حاصل ہو چکی ہو، فطرتِ صحیحہ کے ساتھ ہی ہدایت و علم بھی ہو، وہ اور وہ شخص جو بد اعمالیوں کو نیک کاریاں سمجھ رہا ہے، جو اپنی خواہشِ نفس کے پیچھے پڑا ہوا ہو، یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے فرمان ہے۔ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کی وحی کو حق ماننے والا اور ایک اندھا برابر ہو جائے، اور ارشاد ہے لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ یعنی جہنمی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی کامیاب اور مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر جنت کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ اس میں پانی کے چشمے ہیں ایسا پانی جو کبھی بگڑتا نہیں متغیر نہیں ہوتا۔ سڑتا نہیں نہ بدبو پیدا ہوتی ہے بہت صاف موتی جیسا ہے۔ کوئی گدلاپن نہیں کوڑا کرکٹ نہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنتی نہریں مشک کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں۔ اس میں پانی کے علاوہ دودھ کی نہریں بھی ہیں جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا، بہت سفید بہت میٹھا اور نہایت صاف شفاف اور بامزہ پُر ذائقہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نکلا ہوا نہیں بلکہ قدرتی ہے اور نہریں ہوں گی شراب صاف کی جو پینے والے کا دل خوش کر دیں دماغ کشادہ کر دیں۔ جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی ہے نہ بدذائقہ ہے، بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی پینے میں بہت لذیذ نہایت خوشبودار جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئیں نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے، حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں سے کشید کی ہوئی نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے۔ خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے۔ جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں، جو بہت صاف ہے اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جنت میں دودھ پانی، شہد اور شراب کے سمندر ہیں جن میں سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے یہ نہریں جنتِ عدن سے نکلتی ہیں پھر ایک حوض میں آتی ہیں، وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ جنت ہے اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے طبرانی میں ہے حضرت لقیط بن عامر جب وفد میں آئے تھے تو رسول اللہ سے دریافت کیا کہ جنت میں کیا کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا صاف شہد کی نہریں اور بغیر نشے کے سر درد نہ کرنے والی شراب کی نہریں اور نہ بگڑنے والے دودھ کی نہریں اور خراب نہ ہونے والے شفاف پانی کی نہریں اور طرح طرح کے میوہ جات عجیب و غریب بے مثل و بالکل تازہ اور پاک صاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی، دنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اٹھائیں گے، ہاں وہاں بال بچے نہ ہوں گے۔ حضرت انس رضی فرماتے ہیں یہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں۔ ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور موتیوں کے خیمے ہیں ان کی مٹی مشک خالص ہے۔ پھر فرماتا ہے وہاں ان کے لئے ہر طرح کے میوے اور پھول پھل ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝ یعنی وہاں نہایت امن و امان کے ساتھ ہر قسم کے میوے وہ منگوائیں گے اور کھائیں گے اور آیت میں ہے فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ دونوں جنتوں میں ہر ہر قسم کے میووں کے جوڑے ہیں۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رب خوش ہے وہ اپنی مغفرت ان کے لئے حلال کر چکا ہے انہیں نواز چکا ہے اور ان سے راضی ہو چکا ہے اب کوئی کھٹکا ہی نہیں۔ جنتوں کی یہ دھوم دھام اور نعمتوں کے بیان کے بعد فرماتا ہے کہ دوسری جانب جہنمیوں کی یہ حالت ہے کہ وہ جہنم کے درکات میں جل بھلس رہے ہیں اور وہاں سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں اور سخت پیاس کے موقعہ پر وہ کھولتا ہوا گرم پانی جو در اصل آگ ہی ہے لیکن بشکل پانی انہیں پینے کے لئے ملتا ہے کہ ایک گھونٹ اندر جاتے ہی آنتیں کٹ جاتی ہیں۔ اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ پھر بھلا ان دونوں میں کیا جوڑ؟ کہاں جنتی کہاں جہنمی

کہاں لعنت کہاں رحمت یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں ؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں کہ

تُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَ

حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی یہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور

اتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ

یہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ انکو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور ان کو ان کے تقوی کی توفیق دیتا

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَاۗءَ اَشْرَاطُهَا ۚ

سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اُن پر دفعۃً آپڑے سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں

فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَاۗءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ

تو جب قیامت ان کے سامنے آکھڑی ہوئی اُس وقت انکو سمجھنا کہاں میسر ہوگا۔ تو آپ اسکا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی

لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝ ع ۲

معافی مانگتے رہئے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کیلئے بھی ور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔

منافقین کی حیلہ تراشیاں

منافقوں کی کُند ذہنی اور بے علمی، ناسمجھی اور بے وقوفی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود مجلس میں شریک ہونے کے کلام الرسول سُن لینے کے پاس بیٹھے ہوئے ہونے کے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ مجلس کے خاتمے کے بعد اہل علم صحابہؓ سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت کیا کیا کہا؟ یہ ہیں جن کے دلوں پر مہر خداوندی لگ چکی ہے۔ اور اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے پڑ گئے ہیں، فہم صریح اور قصد صحیح ہے ہی نہیں۔ پھر اللہ عز وجل فرماتا ہے جو لوگ ہدایت کا قصد کرتے ہیں انہیں خود خدا بھی توفیق دیتا ہے اور ہدایت نصیب فرماتا ہے پھر اس پر جم جانے کی ہمت بھی عطا فرماتا ہے اور ان کی ہدایت بڑھاتا رہتا ہے اور انہیں رُشد و ہدایت الہام فرماتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ تو اسی انتظار میں ہیں کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے۔ تو یہ معلوم کر لیں کہ اس کے قریب ہونے کے نشانات تو ظاہر ہو چکے ہیں، جیسے اور موقعہ پر ارشاد ہوا ہے هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۝ الخ یہ ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں سے قریب آنے والی قریب آچکی ہے اور بھی ارشاد ہوتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ الخ قیامت قریب ہوگئی اور چاند پھٹ گیا اور فرمایا اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ الخ لوگوں کا حساب قریب آگیا پھر بھی وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہی ہیں پس حضورؐ کا نبی ہو کر دنیا میں آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اس لئے کہ آپ رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل کیا اور اپنی حجت اپنی مخلوق پر پوری کی اور حضور علیہ السلام نے قیامت کی شرطیں اور اس کی علامتیں اس طرح بیان فرما دیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی نے اس قدر وضاحت نہیں کی تھی، جیسے کہ اپنی جگہ وہ سب بیان ہوئی ہیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں حضورؐ کا آنا قیامت کی شرطوں میں سے ہے، چنانچہ خود آپ کے نام حدیث میں یہ آئے ہیں، نبی التوبہ، نبی الملحمہ،

حاشر جس کے قدموں پر لوگ جمع کئے جائیں، عاقب جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اپنی بیچ کی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی کو اٹھا کر فرمایا میں اور قیامت مثل ان دونوں کے بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافروں کو قیامت قائم ہو جانے کے بعد نصیحت و عبرت کیا سود مند ہوگی؟ جیسے ارشاد ہے۔ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّکْرٰی ۝ اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا لیکن اس کے لئے نصیحت ہے کہاں؟ یعنی آج کے دن کی عبرت بے سود ہے اور آیت میں ہے وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ ۝ یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہم قرآن پر ایمان لائے حالانکہ اب انہیں ایسے دور مکان پر دسترس کہاں ہو سکتی ہے! یعنی ان کا ایمان اس وقت بے سود ہے۔ پھر فرماتا ہے اے نبی جان لو کہ اللہ ہی معبود برحق ہے کوئی اور نہیں، یہ دراصل خبر دینا ہے اپنی وحدانیت کی، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے علم کا حکم دیتا ہو۔ اسی لئے اس پر عطف ڈال کر فرمایا اپنے گناہوں[a] کا اور مومن مرد و عورت کے گناہوں کا استغفار کرو، صحیح حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ هَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَخَطَئِیْ وَعَمْدِیْ وَکُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ یعنی اے اللہ میری خطاؤں کو اور میری جہالت کو اور میرے کاموں میں مجھ سے جو زیادتی ہو گئی ہو اس کو اور ہر اس چیز کو جسے تو مجھ سے بہت زیادہ جاننے والا ہے بخش۔ اے اللہ میرے بے قصد گناہوں کو اور میرے عزم سے کئے ہوئے گناہوں کو اور میری خطاؤں کو اور میرے پاس ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ اپنی نماز کے آخر میں کہتے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ اِلٰهِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ یعنی اے اللہ میں نے جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں، اور جو کچھ پیچھے کئے ہیں اور جو چھپا کر کئے ہیں اور جو ظاہر کئے ہیں اور جو زیادتی کی ہے اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بخش دے تو ہی میرا اللہ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگوں اپنے رب کی طرف توبہ کرو میں تحقیق میں اپنے رب کی طرف استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں ہر ہر دن ستر بار سے بھی زیادہ۔ مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ کے ساتھ آپ کے کھانے میں سے کھانا کھایا پھر میں نے کہا یا رسول اللہؐ آپ کو بخشے آپ نے فرمایا اور تجھے بھی تو میں نے کہا کیا میں آپ کے لئے استغفار کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور اپنے لئے بھی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اپنے گناہوں اور مومن مردوں اور باایمان عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب کر، پھر میں نے آپ کے داہنے کھوے یا بائیں ہتھیلی کو دیکھا وہاں کچھ جگہ ابھری ہوئی تھی جس پر گویا تل تھے۔ اسے مسلم ترمذی نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے، ابو یعلیٰ میں ہے۔ حضور نے فرمایا تم لا الٰہ الا اللہ کا اور استغفر اللہ کا کہنا لازم پکڑو اور انہیں بکثرت کہا کرو اس لئے کہ ابلیس کہتا ہے میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انھوں نے مجھے ان دونوں کلموں سے ہلاک کیا۔ میں نے جب یہ دیکھا تو انہیں خواہشوں کے پیچھے لگا دیا پس وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ ایک اور اثر میں ہے کہ ابلیس نے کہا خدایا مجھے تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم جب تک کسی شخص کی روح اس کے جسم میں ہے اسے بہکاتا رہوں گا پس اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے بھی قسم ہے اپنی بزرگی اور بڑائی کی کہ میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں۔ استغفار کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا دن میں ہیر پھیر اور تصرف کرنا اور تمہارا رات کو جگہ پکڑنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ یعنی اللہ وہ ہے جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے[b]۔ اور دن کو جو کچھ کرتے ہو وہ جانتا ہے۔

[a] استغفار اگر نبی کرے تو اس سے پہلے گناہ ضروری نہیں بات اصل میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفت غفاری کا ظہور انبیاء پر سب سے زیادہ ہے اور ان صفات کے ظہور کے لئے کچھ تمہیدی سامان مطلوب ہیں، جیسا کہ آگ جلانے سے پہلے لکڑی وغیرہ پس انبیاء خود کو خدا تعالیٰ کی اس رحمت عام یعنی غفاری کا مظہر بنانے کے لئے استغفار کرتے ہیں حالانکہ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتے۔ [b] ہم سب ہی کہتے ہیں کہ مرا اور سوتا برابر ہیں۔ پس یہاں موت سے نیند کی وہی کیفیت مراد ہے جس میں انسان کے بہت سے قوی اور حواس مردہ کی طرح کام چھوڑ دیتے ہیں۔

اور آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ الخ یعنی زمین پر جتنے بھی چلنے والے ہیں اُن سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ ان کے رہنے کی جگہ اور دفن ہونے کا مقام جانتا ہے یہ سب باتیں واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ ابن جریر کا یہی قول ہے اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ مراد آخرت کا ٹھکانا ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں تمہارا پھرنا دنیا میں اور تمہاری قبروں کی جگہ اسے معلوم ہے لیکن اول قول ہی صاف اور زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ نازل ہوئی سو جس وقت کوئی صاف صاف (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے

مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ

اور اتفاق سے اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ

إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ۞ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ

آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو سو (اصل یہ ہے کہ) عنقریب انکی کمبختی آنیوالی ہے۔ ان کی طاعت اور بات چیت

مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۞

معلوم ہے پس جب سارا کام تیار ہی ہو جاتا ہے تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا

سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع

أَرْحَامَكُمْ ۞ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۞

قرابت کر دو۔ یہ لوگ ہیں جنکو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

دلوں کے بیمار

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ مومن تو جہاد کے حکم کی تمنا کرتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ نے جہاد کو فرض کر دیتا ہے اور اس کا حکم نازل فرما دیتا ہے تو اس سے اکثر لوگ ہٹ جاتے ہیں جیسے اور آیت میں ہے أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ الخ یعنی کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب اُن پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے رب ہم پر تو نے جہاد کیوں فرض کر دیا۔ تو نے ہم کو قریب کی مدت تک ڈھیل کیوں نہ دی؟ آپ ان سے کہئے کہ دنیا کی متاع بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہت ہی بہتر ہے اور تم پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایمان والے تو جہاد کے حکموں کی آیتوں کے نازل ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ لیکن منافق لوگ جب ان آیتوں کو سنتے ہیں تو بوجہ اپنی گھبراہٹ بوکھلاہٹ اور نامردی کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرح آپ کو دیکھنے لگتے ہیں جیسے موت کی غشی والا۔ پھر انہیں مرد میدان بننے کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے ان کے حق میں بہتر تو یہ ہوتا کہ یہ سنتے مانتے اور جب موقعہ آ جاتا معرکہ کارزار گرم ہوتا تو نیک نیتی کیساتھ جہاد کر کے اپنے خلوص کا ثبوت دیتے۔ پھر فرمایا

ایسوں پر خدا کی پھٹکار ہے اور یہ رب کی طرف سے بہرے اندھے ہیں۔ اس میں زمین میں فساد کرنے کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح اور صلہ رحمی کرنے کی ہدایت کی ہے اور ان کا حکم فرمایا ہے صلہ رحمی کے معنی ہیں قرابت داروں کیساتھ معاملات میں سلوک واحسان کرنا اور ان کی مالی مشکلات میں ان کے کام آنا۔ اس بارے میں بہت سی صحیح اور حسن حدیثیں موجود ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم کھڑا ہوا اور رحمٰن سے چمٹ گیا عہ اس سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا یہ مقام ہے ٹوٹنے سے تیری پناہ میں آنے کا اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں! کہ تیرے ملانے والے کو میں ملاؤں اور تیرے کاٹنے والے کو میں کاٹ دوں؟ اُس نے کہا ہاں اس پر میں بہت خوش ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر پھر راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَهَلْ عَسَيْتُمْ الخ اور سند سے ہے کہ خود حضورؐ نے فرمایا۔ ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کوئی گناہ اتنا بڑا اور اتنا برا نہیں جس کی بہت جلدی سزا دنیا میں اور پھر اس کی برائی آخرت میں بہت بڑی پہنچتی ہو بہ نسبت سرکشی بغاوت اور قطع رحمی کے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص چاہے کہ اس کی عمر بڑی ہو اور روزی کشادہ ہو وہ صلہ رحمی کرے اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میرے قرابت دار مجھ سے تعلقات منقطع رکھتے ہیں اور میں انہیں معاف کرتا رہتا ہوں وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائیاں کرتے رہتے ہیں تو کیا میں اُن سے بدلہ نہ لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں اگر ایسا کرو گے تو تم سب کے سب چھوڑ دیئے جاؤ گے تم صلہ رحمی پر ہی رہو اور یاد رکھو کہ جب تک تم اس پر باقی رہو گے اللہ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہر وقت معاونت کرنے والا رہیگا۔ بخاری وغیرہ میں ہے حضورؐ نے فرمایا صلہ رحمی عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ صحیح معنی میں رشتے ناتے ملانے والا وہ ہے کہ گو تو اُسے کاٹتا جائے وہ تجھ سے ملاتا جائے۔ مسند احمد میں ہے صلہ رحمی قیامت کے دن رکھی جائے گی اس کی رانیں ہوں گی مثل ہرن کی رانوں کے وہ بہت صاف اور تیز زبان سے بولے گی پس وہ کاٹ دیا جائے گا جو اسے کاٹتا تھا اور وہ ملایا جائے گا جو اسے ملاتا تھا عہ۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر خدا بھی رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا، رحم رحمٰن کی طرف سے ہے۔ اس کے ملانے والوں کو خدا ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والے کو خود خدا توڑ دیتا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے لوگ گئے تو آپ فرمانے لگے تم نے صلہ رحمی کی ہے حضورؐ فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے میں رحمٰن ہوں اور رحم کا نام میں نے اپنے نام پر رکھا ہے اسے جوڑنے والے کو میں جوڑ دوں گا اور اس کے توڑنے والے کو میں توڑ دوں گا اور حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں روحیں ملی جلی ہیں جو روز ازل میں میل کر چکی ہیں وہ یہاں یگانگت برتتی ہیں اور جن میں وہاں نفرت رہی ہے یہاں بھی ان میں بعد رہتا ہے حضورؐ فرماتے ہیں جب زبانی دعوے بڑھ جائیں عمل گھٹ جائیں زبانی میل جول ہو دلی بغض وعداوت ہو رشتے دار رشتے دار سے بدسلوکی کرے عہ اور اس وقت ایسے لوگوں پر لعنتِ خدا نازل ہوتی ہے اور ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی جاتی ہیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں واللہ اعلم۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں جو لوگ پشت پھیر کر

عہ حدیث پر ایمان لانا چاہئے اور تفصیلات کا علم خدا کو تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہئے۔ عہ اس حدیث کی تفصیلات بھی خدا تعالیٰ کے علم کامل کے سپرد کیجئے عہ اور منافقت کا یہ معاملہ آج جسقدر عام ہے شاید ہی کبھی ہوا ہو۔

عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ

پلٹ گئے بعد اس کے سیدھا رستہ ان کو صاف معلوم ہو گیا شیطان نے ان کو چکمہ دیا ہے اور

لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ

ان کو دور دور کی سوجھائی ہے یہ اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کو

اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۝

ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعضی باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے خفیہ باتیں کرنے کو خوب جانتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝

سو ان کا کیا حال ہو گا جبکہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے اور ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ ع ۳/۹

یہ اس سبب سے کہ جو طریقہ خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضا سے نفرت کیا کئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال کالعدم کر دئے

ارتداد اور اس کی عبرتناک سزا

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں غور و فکر کرنے سوچنے سمجھنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس سے بے پرواہی و اعراض سے روکتا ہے۔ ارشاد ہے کہ غور و تامل تو کجا؟ ان کے تو دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ کوئی کلام اس میں اثر ہی نہیں کرتا، جائے تو اثر کرے اور جائے کہاں سے جبکہ جانے کی راہ نہ پائے ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ایک نوجوان یمنی نے کہا کہ بلکہ ان پر ان کے قفل ہیں جب تک خدا نہ کھولے اور الگ نہ کرے پس حضرت عمرؓ کے دل میں یہ بات رہی یہاں تک کہ اپنی خلافت کے بارے میں اس سے مدد لیتے رہے۔[1] پھر فرماتا ہے جو لوگ ہدایت ظاہر کر چکنے کے بعد ایمان سے الگ ہو گئے اور کفر کی طرف لوٹ گئے دراصل شیطان نے اس کا بد کو ان کی نگاہوں میں اچھا دکھا دیا ہے اور انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، دراصل ان کا یہ کفر سزا ہے ان کے اس نفاق کی جو ان کے دل میں تھا جس کی وجہ سے وہ ظاہر کے خلاف اپنا باطن رکھتے تھے۔ کافروں سے مل جل کر انہیں اپنا کرنے کے لئے ان کے باطل پر موافقت کر کے کہتے تھے گھبراؤ نہیں ابھی ابھی ہم بھی بعض امور میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ لیکن یہ باتیں اس خدا سے تو چھپ نہیں سکتیں جو ظاہری باطنی حالات سے خوب واقف ہو، جو راتوں کے وقت کی پوشیدہ اور راز کی باتیں بھی سنتا ہو جس کے علم کی انتہا نہ ہو۔ پھر فرماتا ہے ان کا کیا حال ہو گا؟ جبکہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کو آئیں گے اور ان کی روحیں جسموں میں چھپتی پھریں گی اور ملائکہ جبراً قہراً ڈانٹ جھڑک، اور مار پیٹ سے انہیں باہر نکالیں گے جیسے ارشاد باری ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ الخ یعنی کاش کہ تو دیکھتا جبکہ ان کافروں کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہوئے ان کے منہ پر طمانچے اور ان کی پیٹھ پر مکے مارتے ہیں الخ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الخ یعنی کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ ظالم سکرات موت میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ ان کی طرف مارنے کے لئے پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو آج تمہیں ذلت[2]

[1] مطلب یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے فہم درست اور ذہن ثاقب پر اعتماد کیا اور اپنی زمانہ خلافت میں ان کے مشوروں پر عمل بھی فرمایا۔ [2] کافر کو دنیا کی زندگی نہایت ہی پسندیدہ اور مرغوب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ بوقت موت اس کی روح جسم سے مفارقت کے لئے تیار نہیں ہوتی۔

کے عذاب کئے جائیں گے اس لئے کہ تم خدا کے ذمے ناحق کہا کرتے تھے اور اس کی آیتوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے جن سے خدا ناخوش ہو اور خدا کی رضا سے کراہیت کرتے تھے۔ پس ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۝١ وَلَوْ

جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں دل کہ اللہ تعالے کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا۔ اور ہم اگر

نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ

چاہتے تو آپ کو انکا پورا پتہ بتا دیتے سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے اور آپ ان کو طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝٢ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ

اور اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے۔ اور ہم ضرور تم سبکی آزمائش کرینگے تاکہ ہم ان لوگوں کو معلوم کرلیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں

وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ۝٣

اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کریں۔

آزمائش

یعنی کیا منافقوں کا خیال ہے کہ ان کی مکاری اور عیاری کا اظہار اللہ تعالے مسلمانوں پر کرے گا ہی نہیں یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ تعالے ان کا مکر اس طرح واضح کردے گا کہ ہر عقلمند انہیں پہچان لے اور ان کی بدباطنی سے بچ سکے۔ ان کے بہت کچھ احوال سورۂ براۃ میں بیان کئے گئے۔ اور ان کے نفاق کی بہت سی خصلتوں کا ذکر وہاں کیا گیا یہاں تک کہ اس سورت کا دوسرا نام ہی فاضحہ رکھ دیا گیا یعنی منافقوں کو فضیحت کرنے والی اَضْغَانْ جمع ہے ضغن کی ضغن کہتے ہیں دلی حسد و بغض کو۔ اس کے بعد اللہ عز وجل فرماتا ہے کہ اے نبی اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود تمہیں دکھا دیں پس تم انہیں کھلم کھلا جان جاؤ۔ لیکن اللہ تعالے نے ایسا نہیں کیا ان تمام منافقوں کو بتلا نہیں دیا تاکہ اس کی مخلوق پر پردہ پڑا رہے[1]۔ ان کے عیوب پوشیدہ رہیں ہر ایک کی نگاہ میں ان کی ذلت نہ ہو۔ امور اسلامی ظاہرداری پر رہیں اور باطنی حساب اسی ظاہر و باطن جاننے والے کے ہاتھ رہے۔ لیکن ہاں تم تو ان کی بات چیت کے طرز اور کلام کے ڈھنگ سے ہی صاف پہچان لوگے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے اللہ تعالے اسے اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر کردیتا ہے حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسپر عیاں کر دیتا ہے، وہ بہتر ہے تو اور بد تو بد۔ تو ہم[2] نے شرح صحیح بخاری کے شروع میں عملی اور اعتقادی نفاق کا بیان پوری طرح کر دیا ہے جس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ حدیث میں منافقوں کی ایک جماعت کی تعیین آچکی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالے کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے۔ پھر فرمایا اے فلاں کھڑا ہو جا۔ اے فلاں کھڑا ہو جا۔ یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے۔ پھر فرمایا تم میں یا تم میں سے منافق[3] ہیں پس اللہ سے ڈرو اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے سے

---

[1] خدا تعالیٰ کا ایک نام ستار العیوب بھی ہے یعنی لوگوں کے عیوب چھپانے والا۔ نفاق تک کی پردہ داری اسی صفت عالی کا مظہر ہے۔ [2] یہ اسموہ سے کہ انسان کی کوشش پردہ داری کی خدا تعالیٰ کی مشیت اور مصالح کے خلاف نہیں [3] یہ اختلاف راوی ہے گویا کہ راوی نے یا یہ کہا یا یہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ گذرے وہ اس وقت کپڑے سے اپنا منہ لپیٹے ہوئے تھا۔ آپ اُسے خوب جانتے تھے پوچھا کیا ہے؟ اس نے حضورؐ کی اُوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا خدا تجھے غارت کرے پھر فرماتا ہے ہم حکم احکام دیکر روک ٹوک کرکے تمہیں خوب آزما کر معلوم کرلیں گے کہ تم میں سے مجاہد کون ہے؟ اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ اور ہم تمہارے احوال آزمائیں گے یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس علام الغیوب کو ہر چیز اور ہر شخص اور اس کے اعمال معلوم ہیں۔

یہاں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے کھول دے اور اس حال کو دیکھ لے اور دکھا دے، اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس جیسے مواقع پر لِنَعْلَمَ کے معنے کرتے تھے لِنَرٰی یعنی تاکہ ہم دیکھ لیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے رستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ

کے کہ ان کو رستہ نظر آچکا تھا یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ نے ان کی کوششوں کو شاد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَا

اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (کفار کی طرح اللہ اور رسول کی مخالفت کرکے) اپنے اعمال

لَكُمْ ۞ ٥ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا

کو برباد مت کرو۔ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے رستے سے روکا۔ پھر وہ کافر ہی

وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۞ ٦ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۖ

رہ کر مرگئے۔ خدا تعالیٰ ان کو بھی نہ بخشے گا سو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ

وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۞ ٧

اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ ہے۔ اور تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت کا عبرتناک انجام	اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفر کرنے والے اور خدا کی طرف

متوجہ ہوتے تھے اور رسول کی مخالفت کرنے والے ہدایت کے ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے خدا کا تو کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں، کل قیامت کے دن یہ خالی ہاتھ ہوں گے ایک نیکی بھی ان کے پاس نہ ہوگی جس طرح نیکیاں گناہوں کو ہٹا دیتی ہیں اسی طرح ان کے بدترین جرم و گناہ نے نیکیاں برباد کر دیں۔ امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الصلوٰۃ میں حدیث لائے ہیں کہ صحابہؓ کا خیال تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتے جیسے کہ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اس پر یہ آیت أَطِيعُوا اللَّهَ الخ اتری اب اصحاب رسول اس سے ڈرنے لگے کہ گناہ نیکیوں کو باطل نہ کر دیں۔ دوسری سند سے روایت ہے کہ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ہر نیکی بالیقین مقبول ہے یہاں تک کہ یہ آیت اتری تو کہنے لگے کہ ہمارے اعمال کو برباد کرنے والی چیز گناہ کبیرہ اور بد برائیاں ہیں، یہاں تک کہ آیت إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ الخ نازل ہوئی، اب اس بارے میں کوئی بات کہنے سے رک گئے اور کبیرہ گناہ اور بدکاریاں کرنے والے پر انہیں خوف رہتا تھا اور ان سے بچنے والے کے لئے امید رہتی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو اپنی اور اپنے نبی کی اطاعت کا حکم دیتا ہے جو ان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کی چیز ہے اور مرتد ہونے سے روک رہا ہے جو اعمال کو غارت کرنے والی چیز ہے پھر فرماتا ہے اللہ سے کفر کرنے والے راہ خدا سے روکنے والے اور کفر ہی میں مرنے والے خدا کی بخشش سے محروم ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ خدا شرک کو نہیں بخشتا۔ اس کے بعد جناب باری عز اسمہٗ فرماتا ہے کہ اے میرے مومن بندو تم دشمنوں کے مقابلے میں عاجزی کا اظہار نہ کرو[۵٦] اور ان سے دب کر صلح کی دعوت نہ دو۔ حالانکہ قوت و طاقت میں زور و غلبہ میں تعداد و اسباب میں تم قوی ہو۔ ہاں جبکہ کافر قوت میں تعداد میں اسباب میں تم سب سے زیادہ ہوں اور مسلمانوں کا امام مصلحت صلح ہی میں دیکھے تو ایسے وقت بیشک صلح کی طرف جھکنا جائز ہے جیسے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر کیا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ جانے سے روکا تو آپ نے دس سال تک لڑائی بند رکھنے اور صلح قائم رکھنے پر مصالحت کر لی۔ پھر ایمان والوں کو بہت بڑی بشارت و خوش خبری سناتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے[۵۷]۔ اس وجہ سے نصرت و فتح تمہاری ہی ہے تم یقین مانو کہ تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی وہ ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمہیں عنایت فرمائے گا۔ واللہ اعلم۔

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُو

دنیوی زندگانی تو محض ایک لہو و لعب ہے اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تم کو تمہارے

رَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَ

اجر عطا کرے گا۔ اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا۔ اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے

يُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تمہاری ناگواری ظاہر کر دے۔ ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔

۵٦ فقہاء مفسرین کی یہ تصریح پیش نظر رہے کہ کفار سے وہی صلح صرف ممنوع ہے جو دب کر اور عاجز ہو کر کی جائے ورنہ امت کی فلاح اور مصالح کی خاطر صلح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ۵۷ یعنی دنیا میں نصرت کیساتھ اور آخرت میں بخشش و رحمت کیساتھ یہ بھی یاد رکھئے کہ فلا تھنوا کا مطلب یہ ہے کہ پست ہمتی کے تقاضوں پر عمل نہ کرو۔ گویا کہ صرف عمل کی مخالفت ہے ورنہ دشمن کی کثرت اس کی تیاری اس کی شوکت و قوت کو دیکھ کر متاثر ہونا تو طبعی اور فطری تقاضہ ہے۔

فَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يَّبۡخَلُ‌ۚ وَمَنۡ يَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا يَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ الۡغَنِىُّ وَ

سو بعضے تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں

اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ‌ۚ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡۙ ثُمَّ لَا

اور تم سب محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کروگے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا

يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَـكُمۡ ۧ ع ۸ ۳

پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

دنیا کی موہوم زندگی

دنیا کی حقارت اور اس کی حقارت وذلت بیان ہو رہی ہے کہ اس سے بجز تماشے[عہ] کے اور کچھ حاصل حصول نہیں، ہاں جو کام خدا کے لئے کئے جائیں وہ باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا کی ذات بے پرواہ ہے، تمہارے اچھے کام تمہارے ہی نفع کے لئے ہیں، وہ تمہارے مالوں کا بھوکا نہیں، اس نے تمہیں جو خیر خیرات کا حکم دیا ہے وہ صرف اس لئے کہ تمہارے ہی غربا رفقرار کی پرورش[عہ] ہو اور پھر تم دار آخرت میں مستحق ثواب بنو۔ پھر انسان کے بخل اور بخل کے بعد دلی کینے کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا۔ مال کے نکالنے میں یہ تو ہوتا ہی ہے کہ مال انسان کو محبوب ہوتا ہے اور اس کا نکالنا اس پر گراں گذرتا ہے۔ پھر بخیلوں کی بخیلی کے وبال کا ذکر ہو رہا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مال کو روکنا دراصل اپنا ہی نقصان کرنا ہے کیونکہ بخیلی کا وبال اسی پر پڑے گا، صدقے کی فضیلت اور اس کے اجر سے محروم بھی رہے گا۔ اللہ سب سے غنی ہے اور سب اس کے در کے بھکاری ہیں، غنا خدائے تعالےٰ کا وصف لازم ہے، اور احتیاج مخلوق کا وصف لازم[عہ] ہے، نہ یہ کہ اس سے کبھی الگ ہوں نہ وہ اس سے، پھر فرماتا ہے اگر تم اس کی اطاعت سے روگرداں ہوگئے اس کی شریعت کی تابعداری چھوڑدی تو وہ تمہاری بدلے تمہارے علاوہ اور قوم پیدا کردے گا جو تم جیسی نہ ہوگی بلکہ وہ سننے اور ماننے والے حکم بردار ہوں گے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہؓ نے پوچھا کہ حضورؐ یہ کون لوگ ہیں جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے تو آپ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شانے پر رکھ کر فرمایا یہ اور ان کی قوم، اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اسے فارس کے لوگ لے آتے، اس کے ایک راوی مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں بعض ائمہ جرح تعدیل نے کچھ کلام کیا ہے واللہ اعلم۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے سورۂ محمدؐ کی تفسیر ختم ہوئی۔

عہ یعنی دنیا دار آخرت کے مقابلہ میں، سچ ہے یہ حقیقت کبھی نہ بھولے کہ قرآن مجید دنیا کے متعلق جب اس طرح کے خیالات ظاہر کرتا ہے تو وہاں ہمیشہ دنیا کا آخرت سے مقابلہ پیش نظر ہوتا ہے۔

عہ یہ انفاق فی سبیل اللہ ظاہر ہے کہ ہمیشہ بندوں ہی کے لئے مفید ہوتا ہے اور امرا اور رؤسا کی داد و دہش سے ہمیشہ غربا ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

عہ یعنی خدا تعالےٰ کو غنی ہی ہونا چاہیئے، اور بندوں کو محتاج۔

تفسیر سورۂ فتح مدنیہ

بخاری مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ والے سال اثناء سفر میں راہ چلتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر ہی سورۂ فتح کی تلاوت کی اور ترجیع سے پڑھ رہے تھے۔ اگر مجھے لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں آپ کی تلاوت کی طرح ہی تلاوت کر کے تمہیں سُنا دیتا :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا

بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے

تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ ۲ وَيَنصُرَكَ

اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل فرما دے اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے اور اللہ آپ کو

اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ ۳

ایسا غلبہ دے جسمیں عزت ہی عزت ہو۔

فتح مبین

ذی قعدہ سنہ ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مدینہ سے مکہ کو چلے لیکن راہ میں مشرکین مکہ نے روک دیا اور مسجد الحرام کی زیارت سے مانع ہوئے پھر وہ لوگ صلح کی طرف مائل اور حضور نے بھی اس بات پر کہ آپ اگلے سال عمرہ ادا کریں گے ان سے صلح کر لی جسے صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت پسند نہ کرتی تھی جس میں قابل ذکر عمر فاروق کا اختلاف ہے آپ نے وہیں اپنی قربانیاں کیں اور لوٹ گئے جس کا پورا واقعہ ابھی اسی سورت کی تفسیر میں آرہا ہے، انشاء اللہ۔ پس لوٹتے ہوئے راہ میں یہ مبارک سورت آپ پر نازل ہوئی جس میں اس واقعہ

۵۰ یہ تھا مذاق پاکیزہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہ فتنہ کے خطرہ سے آنحضورؐ کی طرح تلاوت سے بھی گریز کیا آج امت اس آئینہ میں اپنا بھی منہ دیکھ لے کہ سینکڑوں بدعات کسطرح اس میں پیدا ہو کر جڑ پکڑ چکیں ہیں سنہ ۶ ھ ماہ رجب مطابق مارچ ۶۲۲ء میں آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کیساتھ یہ سفر کیا ابھی آپ حدیبیہ ہی کے مقام پر پہونچے تھے کہ کفار نے مزاحمت کی آپؐ نے ان سے کہلا دیا کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں ہم صرف حج کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں۔ کفار نے آپؐ کے اس صداقت آمیز بیان کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ تو آپؐ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ بطور سفیر کے روانہ فرمایا خبر اڑی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے اس پر آپؐ نے اپنے صحابہ سے بیعت جہاد فرمائی کفار نے یہ سنا تو سرداران مکہ کی ایک جماعت مصالحت کی گفتگو کرنے آئی صلحنامہ مرتب ہوا تو (بقیہ صفحہ ۸۴ پر)

کا ذکر ہے اور اس صلح کو باعتبار نتیجہ فتح کہا گیا۔ ابن مسعود وغیرہ سے مروی ہے کہ تم تو فتح مکہ کو کہتے ہو لیکن ہم صلح حدیبیہ کو فتح جانتے تھے۔ حضرت جابرؓ سے بھی یہی مروی ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہیں اور ہم بیعت الرضوان کے واقعۂ حدیبیہ کو فتح گنتے ہیں۔ ہم چودہ سو آدمی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس موقعہ پر تھے، حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا ہم نے اس میں سے پانی اپنی ضرورت کے مطابق لینا شروع کیا تھوڑی دیر میں پانی بالکل ختم ہو گیا ایک قطرہ بھی نہ بچا آخر پانی کے نہ ہونے کی شکایت حضورؐ کے کانوں تک پہنچی آپ اس کنوئیں کے پاس آئے اس کے کنارے بیٹھ گئے اور پانی کا برتن منگوا کر وضو کیا جس میں کلی بھی کی پھر دعا کی اور وہ پانی اس کنوئیں میں ڈلوا دیا، تھوڑی دیر بعد جو ہم نے دیکھا تو وہ پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا ہم نے بھی پیا جانوروں نے بھی پیا اپنی حاجتیں پوری کیں اور سارے برتن بھر لئے۔ مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک سفر میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تین مرتبہ میں نے آپ سے کچھ پوچھا آپ نے کوئی جواب نہ دیا اب تو مجھے سخت ندامت ہوئی اس امر پر کہ افسوس میں نے حضور کو تکلیف دی آپ جواب دینا نہیں چاہتے اور میں خواہ مخواہ سر ہوتا رہا۔ پھر مجھے ڈر لگنے لگا کہ میری اس بے ادبی پر میرے بارے میں کوئی وحیِ آسمانی نہ نازل ہو، چنانچہ میں نے اپنی سواری کو تیز کیا اور آگے نکل گیا تھوڑی دیر گذری تھی کہ میں نے سنا کوئی منادی میرے نام کی ندا کر رہا ہے، میں نے جواب دیا تو اس نے کہا چلو تمہیں حضور یاد فرماتے ہیں، اب تو میں سناٹے میں آگیا کہ ضرور کوئی وحی نازل ہوئی اور میں ہلاک ہوا جلدی جلدی حاضرِ حضور ہوا تو آپ نے فرمایا گذشتہ شب مجھ پر ایک سورت اُتری ہے جو مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے اِنَّا فَتَحۡنَا کی تلاوت کی۔ یہ حدیث بخاری ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا مجھ پر ایک آیت اُتاری گئی ہے جو مجھے روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی صحابہؓ آپ کو مبارک باد دینے لگے اور کہا حضورؐ یہ تو ہوئی آپ کے لئے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیت لِیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سے عَظِیۡمًا تک نازل ہوئی (بخاری مسلم) حضرت مجمع بن حارثہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ جو قاریِ قرآن تھے فرماتے ہیں حدیبیہ سے ہم واپس آرہے تھے جو میں نے دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو بھگائے لئے جا رہے ہیں پوچھا کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ حضورؐ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ تو ہم لوگ بھی اپنے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے سب کے ساتھ پہنچے آپ اس وقت کراع الغمیم میں تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی تو ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے یہ فتح ہے، خیبر کی تقسیم صرف انہی پر کی گئی جو حدیبیہ میں موجود تھے اٹھارہ حصے بنائے گئے کل لشکر پندرہ سو کا تھا جس میں تین سو گھوڑے سوار تھے پس سوار کو دوہرا حصہ ملا اور پیدل کو ایک (ابوداؤد وغیرہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے آتے ہوئے ایک جگہ رات گذارنے کے لئے ہم اترے اور سو گئے تو ایسے سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد جاگے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سوئے ہوئے ہیں ہم نے کہا آپ کو جگانا چاہیئے اتنے میں آپ خود جاگ گئے اور فرمانے لگے جو کچھ کیا کرتے تھے کرو اور اسی طرح کرے جو سو جائے یا بھول جائے اسی سفر میں حضورؐ کی اونٹنی کہیں گم ہو گئی ہم ڈھونڈنے کو نکلے تو دیکھا کہ ایک درخت میں نکیل اٹک گئی ہے اور وہ رکی کھڑی ہے اسے پکڑ کر حضور کے پاس لائے آپ سوار ہوئے اور ہم نے کوچ کیا ناگہاں راستے میں ہی آپ پر وحی آنے لگی۔ وحی کے وقت آپ پر بہت دشواری ہوتی تھی، جب وحی ہٹ گئی تو آپ نے ہمیں بتلایا کہ آپ پر سورۂ اِنَّا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ ملاحظہ ہو) اس کی بعض دفعات پر صحابہ کو خفت محسوس ہوئی لیکن اس حال صلح ہوئی اس کو فتح نہیں کہنا قرآن مجید کی ایک پیشنگوئی تھی جو پوری ہوئی اسلامی مورخین متفق ہیں کہ بعد کی تمام کامیابیاں اسی ایک کامیابی کا نتیجہ تھیں۔

پھٹنا ہو جاتی ہے (ابوداؤد و نسائی مسند وغیرہ)، حضور نوافل تہجد وغیرہ میں اسقدر وقت لگاتے کہ پیروں پر ورم چڑھ جاتا تو آپ سے کہا گیا کہ کیا اللہ تعالےٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرما دیئے؟ آپ نے جواب دیا کیا پھر میں خدا کا شکر گذار غلام نہ بنوں؟ (بخاری مسلم) اور روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والی عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں (مسلم) پس مبین سے مُراد کھلی ہوئی صاف ظاہر ہے اور فتح سے مُراد صلح حدیبیہ ہے جس کی وجہ سے بڑی خیر و برکت حاصل ہوئی، لوگوں میں امن و امان ہوا مومن، کافر میں بول چال شروع ہوئی علم اور ایمان کے پھیلانے کا موقعہ ملا، آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی یہ آپ کا امتیاز ہے جس میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں۔ ہاں بعض اعمال کے ثواب میں یہ الفاظ اوروں کے لئے بھی آئے ہیں۔ اس میں حضورؐ کی بہت بڑی شرافت و عظمت ہے، آپ اپنے تمام کاموں میں بھلائی استقامت اور فرمانبرداریِ خدا پر مستقیم تھے ایسے کہ اوّلین و آخرین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا، آپ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اکمل انسان اور دنیا و آخرت میں کُل اولادِ آدم کے سردار اور رہبر تھے، اور چونکہ حضور سب سے زیادہ خدا کے فرمانبردار اور سب سے زیادہ خدا کے احکام کا لحاظ کرنے والے تھے، اسی لئے جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی تو آپنے فرمایا اسے ہاتھیوں کے روکنے والے نے روک لیا ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج یہ کفار مجھ سے جو مانگیں گے دوں گا بشرطیکہ خدا کی حرمت کی ہتک نہ ہو، پس جب آپ نے خدا کی مان لی صلح کو قبول کر لیا تو اللہ عزوجل نے فتح کی سورت اُتاری اور دنیا اور آخرت میں اپنی نعمتیں آپ پر پوری کیں اور شرع عظیم اور دینِ قویم کی طرف آپ کی رہبری کی اور آپ کے خشوع خضوع کی وجہ سے اللہ نے آپ کو بلند و بالا کیا، آپ کی تواضع فروتنی عاجزی اور انکساری کے بدلے آپ کو عز و جاہ مرتبہ و منصب عطا فرمایا، آپ کے دشمنوں پر آپ کو غلبہ دیا! چنانچہ خود آپ کا فرمان ہے بندہ درگذر کرنے سے عزت میں بڑھ جاتا ہے اور عاجزی اور انکساری کرنے سے بلندی اور عالی رتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قول ہے کہ تو نے کسی کو جس نے تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو ایسی سزا نہیں دی کہ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا

وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہے تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا

مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا

ایمان اور زیادہ ہو اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا حکمت والا ہے

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشت میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی جن میں ہمیشہ

ع حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے جب بھی گناہ ذنب وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو مطلب ان نفوس قدسیہ کی اجتہادی فرو گذاشتیں ہوتی ہیں حقیقی گناہ نہیں یتم نعمۃ نعمت سے مراد نبوت، معجزات علوم، قرآن مجید ہیں تکمیل نعمت سے مراد آپ کی امت کی کثرت آپ کی دعوت کی اشاعت اور بکثرت لوگوں کا آپ کے دستِ مبارک پر اسلام لانا وغیرہ ہے۔ "یھدیک صراطا مستقیما" یعنی آپ کو آئندہ بلا مزاحمت مکہ معظمہ کی حکومت حاصل ہوگی۔

فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾

کو رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے

وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ

اور تاکہ اللہ تو منافق مردوں۔ اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے

الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ

جو اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں ان پر برا وقت پڑنے والا ہے (اور آخرت میں) اللہ تو ان

عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٦﴾ وَلِلَّهِ

پر غضبناک ہوگا اور انکو رحمت سے دور کر دے گا اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ اور آسمان

جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٧﴾

و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

سکینت الٰہی

سکینہ[ع] کے معنی اطمینان رحمت اور وقار کے ہیں۔ فرمان ہے کہ حدیبیہ والے دن جن باایمان صحابہؓ نے اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مان لی اللہ نے اُن کے دلوں کو مطمئن کر دیا۔ اور ان کے ایمان اور بڑھ گئے۔ اس سے حضرت[ع] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ دلوں میں ایمان بڑھتا ہے اور اسی طرح گھٹتا بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدائی لشکروں کی کمی نہیں وہ اگر چاہتا تو خود ہی کفار کو ہلاک کر دیتا ایک فرشتے کو بھیج دیتا تو وہ ان سب کو برباد و بے نشان کر دینے کے لئے بس تھا، لیکن اس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے ایمان داروں کو جہاد کا حکم دیا جس میں اس کی حجت بھی پوری ہو جائے اور دلیل بھی سامنے آجائے، اُس کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ایمانداروں کو اپنی بہترین نعمتیں اس بہانے عطا فرمائے۔ پہلے یہ روایت گذر چکی ہے کہ صحابہؓ نے جب حضورؐ کو مبارکباد دی اور پوچھا کہ حضور ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اُتاری کہ مؤمن مرد و عورتیں جنتوں میں جائیں گے جہاں قدم قدم پر نہریں جاری ہیں اور جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے اور اس لئے بھی کہ خدا تعالیٰ ان کے گناہ اور ان کی برائیاں دور اور دفع کر دے انہیں ان کی برائیوں کی سزا نہ

ع۵ سکینہ کے معنے تسلی اور اطمینان قلب کے ہیں اہل لغت کی تحقیق ہے کہ یہ لفظ، نور، قوت، اور روح کا جامع ہے چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ فسروها بالشي لجمع نورًا وقوتًا وروحًا بحيث يسكن اليه ويتشي به الحزين۔ سکینہ دو طرح کے ظہور پذیر ہوئی اول تو اس طرح کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین باوجودیکہ نہ جنگ کے ارادہ سے گئے تھے اور نہ لڑائی کا ساز و سامان تھا لیکن اس کے بعد بھی وہ جنگ کے لئے بالکل مستعد اور تیار رہے۔ دوسرے مشرکین مکہ کی ضد، ہٹ دھرمی پر تمام صحابہ بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاموش اور مطمئن رہے بعد میں حضرت عمر کو بھی اطمینان ہو گیا تھا۔ ع۵ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ نفس ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی رہے آثار ایمان سو اس میں کمی و زیادتی کے وہ منکر نہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ (بقیہ صفحہ ۵۱ پر)

دے بلکہ معاف فرمادے درگذر کرے، بخش دے پردہ ڈال دے رحم کرے اوران کی قدر دانی کرے، دراصل یہی اصل کامیابی ہے، جیسے کہ عزوجل نے فرمایا فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ الخ یعنی جو جہنم سے دُور کردیا گیا اور جنت میں پہنچادیا گیا وہ مُراد کو پہنچ گیا۔ پھر ایک اور وجہ اور غایت بیان کی جاتی ہے کہ اس لئے بھی کہ نفاق اور شرک کرنے والے مرد وعورت جو اللہ تعالےٰ کے احکام میں بدظنی کرتے ہیں رسول اللہ اور اصحاب رسول کے ساتھ بُرے خیال رکھتے ہیں کہ یہ ہیں ہی کتنے؟ آج نہیں تو کل ان کا نام ونشان مٹادیا جائے گا، اس جنگ میں بچ گئے تو اور کسی لڑائی میں تباہ ہوجائیں گے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ دراصل اس بُرائی کا دائرہ انہی پر ہے[عے] ان پر خدا کا غضب ہے یہ رحمتِ خدا سے دُور ہیں اُن کی جگہ جہنم ہے۔ اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ دوبارہ اپنی قوتِ قدرت اور بندوں کے دشمنوں سے انتقام لینے کی طاقت کو ظاہر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے لشکر سب خدا ہی کے ہیں اور اللہ تعالےٰ عزیز و حکیم ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ⑧ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ

ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کرکے بھیجا ہے۔ تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے

وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ⑨

رسول پر ایمان لاؤ اور (اس کے دین) کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح میں لگے رہو

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

جو لوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تو سے بیعت کررہے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ

پھر بعد بیعت کے، جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اسبات کو پورا کریگا جس پر (بیعت میں)

فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ⑩

خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دے گا۔

ع ۱۰

شاہد، ومبشر صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالےٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے ہم نے تمہیں اپنی مخلوق پر شاہد بناکر مومنوں کو خوشخبریاں سنانے والا بناکر، کافروں کو ڈرانے والا بناکر بھیجا ہے۔ اس آیت کی پوری تفسیر سورۂ احزاب میں گذر چکی ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے نبی پر ایمان لاؤ اور اس کی عظمت واحترام کرو، بزرگی اور پاکیزگی کو تسلیم کرو اور اس لئے کہ تم اللہ تعالےٰ کی صبح شام تسبیح کرو، پھر اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰) اہلِ ایمان کے قلوب میں انشراح اطمینان اور سکون تمام پیدا ہوگیا۔ عے یہ دائرہ عذاب اس طرح کفار مکہ کو اپنے اندر مبتلا کرنے والا ثابت ہوا کہ کچھ ہی دن بعد مکہ فتح ہوا اور کفار مکہ قطعاً مغلوب ومقہور ہوگئے رہ گئے منافقین تو ان کی تمام عمر مسلمانوں کی شوکت وقوت کو دیکھ دیکھ کر جلنے اور کڑھنے میں گذری۔ عہ تسبیح وتقدیس کی تفسیر (بقیہ حاشیہ عہ وعہ صفحہ ۵۲ پر)

تعالے اپنے نبی کی تعظیم وتکریم بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل خود اللہ تعالے سے ہی بیعت کرتے ہیں ارشاد ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنے جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کا کہا مانا۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، یعنی وہ ان کے ساتھ ہے ان کی باتیں سنتا ہے، ان کا مکان دیکھتا ہے ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے پس دراصل رسول کے واسطے سے ان سے بیعت لینے والا اللہ تعالے ہی ہے، جیسے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ یعنی اللہ تعالے نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور اُن کے مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے میں جنت انہیں دے دی ہے، وہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں مرتے ہیں اور مارتے ہیں خدا کا یہ سچا وعدہ تورات وانجیل میں بھی موجود ہے اور اس قرآن میں بھی سمجھ لو کہ خدا سے زیادہ سچے وعدے والا کون ہوگا؟ پس تمہیں اس خرید و فروخت پر خوش ہو جانا چاہئے، دراصل یہی کامیابی یہی ہے، ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے راہ خدا میں تلوار تول لی اس نے اللہ سے بیعت کر لی اور حدیث میں ہے حجر اسود کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا اسے اللہ تعالے قیامت کے دن کھڑا کرے گا اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بولے گا اور جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہے اس کی گواہی دے گا اسے بوسہ دینے والا دراصل اللہ تعالے سے بیعت کرنے والا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی، پھر فرماتا ہے جو بیعت کے بعد عہد شکنی کرے اس کا وبال خود اسی پر ہوگا اللہ کا وہ کچھ نہ بگاڑے گا اور جو اپنی بیعت کو نبھا جائے وہ بڑا ثواب پائے گا۔ یہاں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت الرضوان ہے جو ایک ببول کے درخت تلے حدیبیہ کے میدان میں ہوئی تھی، اس دن بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد تیرہ سو چودہ سو یا پندرہ سو تھی ٹھیک یہ ہے کہ چودہ سو تھی اس واقعہ کی حدیثیں ملاحظہ ہوں" بخاری شریف میں ہے ہم اس دن چودہ سو تھے، بخاری مسلم کی حدیث میں ہے آپ نے اس پانی میں ہاتھ رکھا پس آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کی سوتیں اُبلنے لگیں۔ یہ حدیث مختصر ہے۔ اس حدیث سے جس میں ہے کہ صحابہ سخت پیاسے ہوئے پانی تھا نہیں، حضورؐ نے انہیں اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر دیا انہوں نے جا کر حدیبیہ کے کنوئیں میں اسے گاڑ دیا فوراً پانی جوش کے ساتھ اُبلنے لگا یہاں تک کہ سب کو کافی ہوگیا، حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس روز تم کتنے تھے؟ فرمایا چودہ سو، لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی اس قدر تھا کہ سب کو کافی ہو جاتا بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پندرہ سو تھے، حضرت جابرؓ سے ایک روایت میں پندرہ سو بھی مروی ہیں، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فی الواقع تھے تو پندرہ سو اور یہی حضرت جابرؓ کا پہلا قول تھا پھر آپ کو کچھ وہم سا ہو گیا اور چودہ سو فرمانے لگے، ابن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱ ع۷ و ع۸ ملاحظہ ہو) نماز سے بھی کیگئی، یہی مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھو جو خدا تعالے کی تسبیح وتقدیس کے مضامین وحقائق پر حاوی اور محیط ہے۔ اور مطلق ذکر بھی مراد ہے یعنی ذکر اللہ کرو۔ بکرۃ واصیلاً سے صبح وشام اور بعض نے دو ہی وقت مراد لیا ہے تعزروہ یعنی اللہ تعالے کے دین کی مدد کرو۔ توقروہ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، عمل اور عقیدہ دونوں سے کرو عقیدت اس کو واحد معبود برحق قادر و متصرف اور ہر عیب سے پاک جانو اور عمل میں صرف اسی کی اطاعت کرو۔ آیت میں ضمائر خدا تعالے ہی کیطرح راجع ہیں۔

ع۹ ارشاد ہے کہ آپ سے جو بیعت کر رہے ہیں وہ گویا کہ خدا تعالیٰ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اس بیعت سے مقصود، خدا تعالیٰ ہی کے حکم کی اطاعت تھی لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو گویا کہ واسطے تھے۔ در پیش نظر، تعمیل وطاعت احکام الٰہی تھی دوسری بات یہ بھی یاد رکھئے کہ "ید اللہ فوق ایدیھم" سے مراد اور کنایہ بیعت ہی ہے گویا کہ یہ ماقبل کی تاکید ہے ویسے لغت میں ید کو نصرت اور قوت کے معنے پر بھی محمول کرنے کی گنجائش ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی نصرت ان لوگوں کے شامل حال ہے جنہوں نے آپ کے دست گرامی پر بیعت کی، بہرحال بتانا مقصود یہ ہے کہ ید سے یہاں ہاتھ مراد ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ جسم اور جسمانیات سب سے منزہ اور پاک ہیں مدارک میں ہے کہ "اللہ منزہ عن الجوارح وعن صفات الاجسام" (بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳ پر)

عباسؓ سے مروی ہے کہ سوا پندرہ سو تھے، لیکن آپ سے مشہور روایت چودہ سو کی ہے۔ اکثر راویوں اور اکثر سیرت نویس بزرگوں کا یہی قول ہے کہ چودہ سو تھے، ایک روایت میں ہے اصحاب شجرہ چودہ سو تھے اور اس دن آٹھواں حصہ مہاجرین کا مسلمان ہوا۔ سیرت محمد بن اسحٰق میں ہے کہ حدیبیہ والے سال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ سات سو صحابہ کو لے کر زیارت بیت اللہ کے ارادے سے مدینہ سے چلے قربانی کے ستر اونٹ بھی آپ کے ہمراہ تھے ہر دس اشخاص کی طرف سے ایک اونٹ ہاں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ کے ساتھی اس دن چودہ سو تھے، ابن اسحاق اسی طرح کہتے ہیں اور یہ ان کے اوہام میں شمار ہے، صحیحین میں جو محفوظ ہے وہ یہ کہ ایک ہزار کئی سو تھے، جیسے ابھی آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس بیعت کا سبب سیرت محمد بن اسحٰق میں ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلوایا کہ آپ کو مکہ بھیجکر قریش کے سرداروں سے کہلوائیں کہ حضور لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ آپ بیت اللہ شریف کے عمرے کے لئے آئے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ میرے خیال میں تو اس کام کے لئے آپ حضرت عثمان کو بھیجیں کیونکہ مکہ میں میرے خاندان میں سے کوئی نہیں یعنی بنو عدی بن کعب کا قبیلہ نہیں جو میری حمایت کرے آپ جانتے ہیں کہ قریش سے میں نے کتنی کچھ اور کیا کچھ دشمنی کی ہے اور مجھ سے وہ کس قدر خار کھائے ہوئے ہیں تو مجھے تو وہ زندہ بھی نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ حضورؐ نے اس رائے کو پسند فرما کر جناب عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو سفیان اور سرداران قریش کے پاس بھیجا آپ جا ہی رہے تھے کہ راستہ میں یا مکہ میں داخل ہوتے ہی ابان بن سعید بن عاص مل گئے اس نے آپ کو اپنے آگے اپنی سواری پر بٹھالیا اور اپنی امان میں انہیں اپنے ساتھ مکہ میں لے گئے۔ آپ قریش کے سرداروں کے پاس گئے اور حضورؐ کا پیغام پہنچایا، انہوں نے کہا کہ آپ اگر بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہیں تو کر لیجئے آپ نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے میں طواف کر لوں۔

اب ان لوگوں نے جناب ذوالنورین کو روک لیا، اُدھر لشکر اسلام میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا گیا، اس وحشت اثر خبر نے مسلمانوں کو اور خود اللہ کے رسولؐ کو بڑا صدمہ پہنچایا اور آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم بغیر فیصلہ کئے یہاں سے نہیں ہٹنے کے چنانچہ آپ نے صحابہ کو بلوایا، اور ان سے بیعت لی، ایک درخت تلے یہ بیعت الرضوان ہوئی لوگ کہتے ہیں یہ بیعت موت پر لی تھی یعنی لڑتے لڑتے مر جائیں گے، لیکن حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ موت پر بیعت نہیں لی تھی بلکہ اس اقرار پر کہ ہم لڑائی سے بھاگیں گے نہیں، جتنے مسلمان صحابہ اس میدان میں تھے سب نے آپ سے برضامندی بیعت کی بجز جد بن قیس کے جو قبیلۂ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا، یہ اپنی اونٹنی کی آڑ میں چھپ گیا، پھر حضورؐ کو اور صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ غلط تھی۔ اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کو آپ کے پاس بھیجا یہ لوگ ابھی یہیں تھے جو بعض مسلمانوں اور بعض مشرکوں میں کچھ تیز کلامی شروع ہو گئی نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنگ باری اور تیر باری بھی ہوئی اور دونوں طرف کے لوگ کھنچ گئے اُدھر ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ وغیرہ کو روک لیا اِدھر یہ لوگ رک گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا کر دی کہ روح القدس اللہ کے رسول کے پاس آئے اور بیعت کا حکم دے گئے۔ آؤ اللہ کا نام لے کر بیعت کر جاؤ، اب کیا تھا مسلمان بیتابانہ دوڑے ہوئے حاضر حضورؐ ہوئے آپ اس وقت درخت تلے تھے سب نے بیعت کی اس بات پر کہ وہ ہرگز ہرگز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲ ملاحظہ ہو) "ومن نکث فقوله" مفسرین کا ارشاد ہے کہ نقض عہد پر یہ وعید کچھ بیعت رضوان ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وہ شخص اس وعید کا مخاطب ہے جو کسی واجب الادا عہد کو توڑے لیکن یہ بھی جب کہ قصداً و ارادۃً نقض عہد کیا ہو اگر بھولکر ایسا ہوا اور پھر اپنی حرکت پر نادم ہے تو شریعت اس صورت میں بھی مواخذہ نہیں کرتی اگرچہ وہ خاطی ضرور ہو گا۔

کسی صورت میں میدان سے منہ موڑنے کا نام نہ لیں گے اس سے مشرکین کانپ اُٹھے اور جتنے مسلمان ان کے پاس تھے سب کو چھوڑ دیا اور صلح کی درخواست کرنے لگے۔ بیہقی میں ہے کہ بیعت کے وقت اللہ کے رسول ؐ نے فرمایا خدا یا عثمان تیرے رسول کے کام کو گئے ہوئے ہیں پس آپ نے خود اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا گویا حضرت عثمان کیطرف سے بیعت کی پس حضرت عثمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اُن کے اپنے ہاتھ سے بہت افضل تھا۔ اس بیعت میں سب سے پہل کرنے والے حضرت ابو سنان اسدی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انہوں نے سب سے آگے بڑھ کر فرمایا حضورؐ ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں بیعت کر لوں آپ نے فرمایا کس بات پر بیعت کرتے ہو؟ جواب دیا جو آپ کے دل میں ہو اُس پر۔ آپ کے والد کا نام وہب تھا صحیح بخاری شریف میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عمرؓ کے لڑکے عبداللہ نے اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کیا۔ دراصل واقعہ یوں نہیں۔ بات یہ ہے کہ حدیبیہ والے سال حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا کہ جاکر اپنا گھوڑا لے آؤ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، حضرت عمرؓ کو اس کا علم نہ تھا یہ اپنے طور پر پوشیدگی سے لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے حضرت عبداللہ نے دیکھا کہ حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے تو یہ تو بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر گھوڑا لینے گئے اور گھوڑا لاکر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لے رہے ہیں۔ اب جناب فاروقؓ آئے اور حضور کے ہاتھ پر بیعت کی اس بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کا اسلام باپ سے پہلے کا ہے۔ بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ لوگ الگ الگ درختوں تلے آرام کر رہے تھے۔ جو حضرت عمرؓ کے دیکھا کہ ہر ایک کی نگاہیں حضورؐ پر ہیں اور لوگ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، حضرت عبداللہ سے فرمایا جاؤ ذرا دیکھو تو کیا ہو رہا ہے؟ یہ آئے دیکھا کہ بیعت ہو رہی ہے تو بیعت کر لی پھر جاکر حضرت عمرؓ سے خبر کی، چنانچہ آپ بھی فوراً آئے اور بیعت سے مشرف ہوئے، حضرت جابرؓ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم نے بیعت کی ہے اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور آپ ایک ببول کے درخت تلے تھے الخ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ کو آپ کے سر سے اوپر کو اٹھا کر میں تھامے ہوئے تھا، ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی بلکہ یہ بیعت میدان جنگ نہ بھاگنے پر تھی، حضرت سلمٰی بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم نے مرنے پر بیعت کی تھی، آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ بیعت کر کے میں ہٹ کر ایک طرف کو کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا حضور میں نے تو بیعت کر لی آپ نے فرمایا خیر آؤ بیعت کر و چنانچہ میں نے قریب جاکر پھر بیعت کی حدیبیہ کا وہ کنواں جس کا ذکر اوپر گذرا صرف اتنے پانی کا تھا کہ پچاس بکریاں بھی آسودہ نہ ہو سکیں آپ فرماتے ہیں کہ دوبارہ بیعت کر لینے کے بعد آپ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں بے سپر ہوں تو آپ نے مجھے ایک ڈھال عنایت فرمائی پھر لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی، پھر آخری مرتبہ میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ پہلی مرتبہ جن لوگوں نے بیعت کی میں نے ان کے ساتھ ہی بیعت کی تھی پھر بیچ میں دوبارہ بیعت کر چکا ہوں آپ نے فرمایا اچھا پھر سہی چنانچہ اس آخری جماعت کے ساتھ بھی میں نے بیعت کی آپ نے پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ ہم نے جو تمہیں ڈھال دی تھی وہ کیا ہوئی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ حضرت عامرؓ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس دشمن کا وار روکنے کو کوئی چیز نہیں میں نے وہ ڈھال انہیں دیدی تو آپ ہنسے اور فرمایا تم بھی اس شخص کی طرح ہو جس نے اللہ سے دعا کی کہ خدایا میرے پاس کسی ایسے کو بھیج دے جو مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ پھر اہل مکہ نے صلح کی تحریک کی آمد و رفت ہوئی اور

(حاشیہ صفحہ ۵۵ پر)

صلح ہو گئی، میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا خادم تھا اُن کے گھوڑے کی اور اُن کی خدمت کیا کرتا تھا وہ مجھے کھانا بھی دے دیتے تھے، میں نے اپنا گھر بار بال بچے مال و دولت سب راہ خدا میں چھوڑ کر ہجرت کر کے چلا آیا تھا جب صلح ہو چکی اُدھر کے اِدھر آنے لگے تو میں ایک درخت تلے جا کر کانٹے وغیرہ ہٹا کر اس کی جڑ سے لگ کر سو گیا، اچانک مشرکین مکہ میں سے چار شخص وہیں آئے اور حضورؐ کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات سے آپس میں باتیں کرنے لگے مجھے بڑا بُرا معلوم ہوا میں وہاں سے اُٹھ کر دوسرے درخت تلے چلا گیا۔ ان لوگوں نے اپنے ہتھیار اُتار کے درخت پر لٹکا کر وہاں لیٹ گئے، تھوڑی دیر گذری ہو گی جو میں نے سنا کہ وادی کے نیچے کے حصے سے کوئی منادی ندا کر رہا ہے کہ اے مہاجر بھائیو حضرت ذُنیم قتل کر دیئے گئے، میں نے جھٹ سے تلوار تان لی اور اُسی درخت تلے گیا جہاں وہ چاروں سوئے ہوئے تھے جاتے ہی پہلے تو اُن کے ہتھیار قبضے میں کئے اور اپنے ایک ہاتھ میں انہیں دبا کر دوسرے ہاتھ سے تلوار تول کر ان سے کہا سنو اس خدا کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے تم میں سے جس نے بھی سر اُٹھایا میں اس کا سر قلم کر دوں گا جب وہ اسے مان چکے میں نے کہا اٹھو اور میرے آگے آگے چلو چنانچہ اُن چاروں کو لے کر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میرے چچا حضرت عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی مکرز نامی عبلات کے ایک مشرک کو گرفتار کر کے لائے اور بھی اسی طرح کے ستر مشرکین حضورؐ کی خدمت میں حاضر کئے گئے تھے آپ نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا انہیں چھوڑ دو برائی کی ابتدا بھی انہی کے سر رہے اور پھر برائی کو بار بار کرنے کے ذمہ دار بھی یہی رہیں چنانچہ سب کو رہا کر دیا گیا، اسی کا بیان آیت وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ الخ میں ہے حضرت سعید بن مُسیّبؒ کے والد بھی اس موقع پر حضورؐ کے ساتھ تھے آپ کا بیان ہے کہ اگلے سال جب ہم حج کو گئے تو اس درخت کی جگہ ہم پر پوشیدہ رہی ہم نہ معلوم کر سکے کہ کس جگہ حضورؐ کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی تھی، اب اگر تم کو یہ راز معلوم ہو گیا ہو تو تم جانو، ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت حضورؐ نے فرمایا آج زمین پر جتنے ہیں اُن سب میں افضل تم لوگ ہو۔ آپ فرماتے ہیں اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تمہیں اس درخت کی جگہ دکھا دیتا۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس جگہ کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ حضورؐ کا فرمان کہ جن لوگوں نے اس بیعت میں شرکت کی ہے ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا (بخاری مسلم) اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جن لوگوں نے اس درخت تلے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے سب جنت میں جائیں گے، مگر سُرخ اونٹ والا، ہم جلدی سے دوڑے دیکھا تو ایک شخص اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کی تلاش میں تھا ہم نے کہا چل بیعت کر، اس نے جواب دیا کہ بیعت سے زیادہ نفع تو اس میں ہے کہ میں اپنا گم شدہ اونٹ پا لوں۔ مسند احمد میں ہے، آپ نے فرمایا کون ہے جو ثنیۃ المرار پر چڑھ جائے اس سے وہ دور ہو جائے گا جو بنی اسرائیل سے دور ہوا پس سب سے پہلے قبیلہ بنی خزرج کے ایک صحابی اس پر چڑھ گئے پھر تو اور لوگ بھی پہنچ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا تم سب بخشے جاؤ گے مگر سُرخ اونٹ والا ہم اس کے پاس آئے اور اس سے کہا تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار طلب کریں تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھے میرا اونٹ مل جائے تو میں زیادہ خوش ہوں گا بہ نسبت اس کے کہ تمہارے صاحب میرے لئے استغفار کریں، یہ شخص اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈ رہا تھا حضرت حفصہؓ نے جب حضورؐ کی زبانی یہ سنا کہ اس بیعت والے دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے تو کہا ہاں ہوں گے آپ نے انہیں روک دیا تو ام المومنین صاحبہ نے آیت وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا پڑھی یعنی تم میں سے ہر شخص کو اس پر وارد ہونا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اس کے بعد ہی فرمان باری ہے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ الخ یعنی پھر ہم

(بقیہ حاشیہ عہ صفحہ ۵۴) عہ گویا کہ باوجود شدید احتیاج کے ایک دوسرے صحابی کو تم نے خود پر ترجیح دی۔

تقویٰ والوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں گرا دیں گے (مسلم) حضرت حاطب بن ابو بلتعہؓ کے غلام حضرت حاطب کی شکایت لے کر حضورؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ حاطب ضرور جہنم میں جائیں گے آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے وہ جہنمی نہیں وہ بدر میں اور حدیبیہ میں موجود رہا ہے۔ ان بزرگوں کی ثنا بیان ہو رہی ہے کہ یہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، اس بیعت کو توڑنے والا اپنا ہی نقصان کرنے والا ہے اور اسے پورا کرنے والا بڑے اجر کا مستحق ہے جیسے فرمایا لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہو گیا جبکہ انہوں نے درخت تلے تجھ سے بیعت کی ان کے دلی ارادوں کو اس نے جان لیا پھر ان پر دل جمعی نازل فرمائی اور قریب کی فتح سے انہیں سرفراز فرمایا۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

جو دیہاتی پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی سو

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ج يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط قُلْ فَمَنْ

ہمارے لئے (اس کوتاہی کی) معافی کی دعا کر دیجئے یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو انکے دلوں میں نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ سو وہ کون ہے جو خدا کے

يَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ط

سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تعالیٰ تمکو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ

بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ

تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے۔ بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور (ہمراہی) مومنین

وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ

اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آویں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوئی تھی اور تم نے

ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ⑫ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

برے برے گمان کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے۔ اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاوے گا سو

فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ⑬ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭

وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے

عذر تراشیاں جو اعراب لوگ جہاد سے جی چرا کر رسول خدا کا ساتھ چھوڑ کر موت کے ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلے تھے۔ اور جانتے تھے کہ کفر کے زبردست طاقت ہمیں چکنا چور کر دے گی اور جو اتنی بڑی جماعت سے ٹکر لینے گئے ہیں یہ تباہ ہو جائیں گے بال بچوں سے ترس جائیں گے وہیں کاٹ ڈالیں جائیں گے، جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول مع اپنی پاکباز مجاہدین کی جماعت کے ساتھ ہنسی خوشی واپس آ رہے ہیں تو اپنے دل میں منصوبے گانٹھنے لگے کہ اپنی مشیخت بنی رہے، یہاں اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا کہ یہ بدباطن لوگ آکر اپنی ضمیر کے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں گے اور عذر پیش کریں گے کہ حضور بال بچوں اور کام کاج سے نکلنا نہ ہوا ورنہ ہم تو ہر طرح تابع فرمان ہیں، ہماری جان تک حاضر ہے، اپنی مزید ایمانداری کے اظہار کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ تو آپ انہیں جواب دیدینا کہ تمہارا معاملہ سپرد خدا ہے وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچائے تو کون ہے جو اُسے دفع کر سکے؟ اور اگر وہ تمہیں نفع دینا چاہے تو کون ہے جو اُسے روک سکے تصنع اور بناوٹ سے تمہاری ایمانداری اور نفاق سے وہ بخوبی آگاہ ہے۔ ایک ایک عمل سے باخبر ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں دراصل تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا بلکہ بطور نافرمانی کے ہی تھا، صاف طور پر تمہارا نفاق اس کا باعث تھا تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں خدا پر بھروسہ نہیں، رسول کی اطاعت میں بھلائی کا یقین نہیں اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں، تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ رسول کی نسبت بھی یہی خیال کرتے تھے کہ یہ قتل کر دیئے جائیں گے ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکے گا جو ان کی خبر تو لا کر دے، ان بدخیالیوں نے تمہیں نامرد بنا رکھا تھا، تم دراصل برباد شدنی لوگ ہو، کہا گیا ہے کہ بورٌ لغتِ عمان ہے، جو شخص اپنا عمل خالص نہ کرے اپنا عقیدہ مضبوط نہ بنائے اُسے اللہ تعالےٰ دوزخ کی آگ میں عذاب کرے گا، گو دنیا میں وہ بہ خلاف اپنے باطن کے ظاہر کرتے رہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالےٰ اپنے ملک اپنی شہنشاہی اور اپنے اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک ومتصرف وہی ہے بخشش اور عذاب پر قادر وہ ہے، لیکن ہے غفور اور رحیم جو بھی اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا در کھٹکھٹائے وہ اس کے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے، خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں جب توبہ کرے اللہ قبول فرما لیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے بلکہ رحم و مہربانی سے پیش آتا ہے:

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا

جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم خیبر کی غنیمتیں لینے چلو گے کہیں گے کہ ہمکو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں وہ

نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ

لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں آپ کہدیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے خدا تعالےٰ نے

اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا

پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے تو وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔

ع۵ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعرابی قبیلہ غفار مزنیہ جہنیہ اسلم اشجع دیل کے تھے عہ سورۃ کا نزول دوران سفر ہی میں ہوا تھا اسلئے یہ بھی گویا کہ قرآن مجید کی ایک پیشگوئی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی کہ یہ استغفار کی درخواست ریا اور تصنع پر محمول ہوگی۔

مہمل مطالبے

ارشاد خداوندی ہے کہ جن بدوی لوگوں نے حدیبیہ میں اللہ کے رسول کا اور صحابہ کا ساتھ نہ دیا وہ جب حضور کو اور ان صحابہ کو خیبر کی فتح کے موقع پر مال غنیمت سمیٹنے میں لئے جاتے ہوئے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو، مصیبت کو دیکھکر تو پیچھے ہٹ گئے راحت کو دیکھکر شامل ہونا چاہتے ہیں اس لئے اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ انہیں ہرگز ساتھ نہ لینا، جب یہ جنگ سے جی چرائیں تو پھر غنیمت میں حصہ کیوں لیں؟ اللہ تعالےٰ نے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ اہل حدیبیہ سے کیا ہے نہ کہ ان سے جو کٹھن وقت فرار اختیار کر جائیں اور آرام کے وقت مل جائیں ان کی تمنا ہے کہ کلام خدا کو بدل دیں، یعنی خدا نے تو صرف حدیبیہ کی حاضری والوں سے وعدہ کیا تو یہ چاہتے ہیں کہ باوجود اپنی غیر حاضری کے خدا کے اس وعدے میں مل جائیں تاکہ وہ بھی بدلا ہوا ثابت ہو جائے، ابن زید کہتے ہیں مراد اس سے یہ حکم خدا ہے فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ الخ یعنی اے نبی اگر تمہیں اللہ تعالےٰ ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت مانگیں تو تم ان سے کہدینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو تم وہی ہو کہ پہلی مرتبہ ہم سے پیچھے رہ جانے میں ہی خوش رہے پس اب ہمیشہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو، لیکن یہ قول محل نظر ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۂ برأت کی ہے جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور غزوہ تبوک غزوہ حدیبیہ کے بہت بعد کا ہے، ابن جریج کا قول ہے کہ مراد اس سے ان منافقوں کا مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر جہاد سے باز رکھنا ہے۔ فرماتا ہے کہ انہیں ان کی اس آرزو کا جواب دو کہ تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو اس سے پہلے خدا یہ وعدہ اہل حدیبیہ سے کر چکا ہے اس لئے تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اب وہ طعنہ دیں گے کہ اچھا ہمیں معلوم ہو گیا تم ہم سے جلتے ہو نہیں چاہتے کہ غنیمت کا حصہ تمہارے سوا کسی اور کو ملے، اللہ فرماتا ہے دراصل یہ ان کی ناسمجھی ہے اور اسی ایک پر کیا موقوف ہے یہ لوگ سراسر بے سمجھ ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ

آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں (ریعنی) کہدیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑنے کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنیوالے ہوں گے کہ یا توان

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ

سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں سو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک عوض (یعنی جنت) دیگا۔ اور اگر تم (اس وقت بھی)

اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى

روگردانی کرو گے جیسا اس کے قبل روگردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دیگا۔ نہ اندھے پر کوئی گناہ

الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ

ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے۔ اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اس کو ایسی جنتوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی

ع ۷ ۱۰

الْأَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيْمًا ۝

ہوں گی. اور جو شخص (حکم سے) روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دیگا.

ایک اور امتحان

وہ سخت لڑاکا قوم جن سے لڑنے کی طرف یہ بلائے جائیں گے کونسی قوم ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد قبیلۂ ہوازن ہے، دوسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلۂ ثقیف ہے تیسرے اس سے یہ کہ اس سے مراد قبیلۂ بنو حنیفہ ہے، چوتھے یہ کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں، پانچویں یہ کہ اس سے مراد رومی ہیں چھٹے یہ کہ اس سے مراد بت پرست ہیں۔ بعض فرماتے ہیں اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کُرد لوگ ہیں، ایک مرفوع حدیث میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی۔ ان کے منہ مثل تہ بہ تہ ڈھالوں کے ہوں گے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس سے مراد تُرک ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی جوتیاں بالوں دار ہوں گی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کُرد لوگ ہیں پھر فرماتا ہے کہ ان سے جہاد و قتال تم پر مشروع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم باقی ہی رہے گا، خدائے تعالےٰ ان پر تمہاری مدد کرے گا یا یہ کہ وہ خود بخود بغیر لڑے بھڑے دین اسلام قبول کر لیں گے پھر ارشاد ہوتا ہے اگر تم مان لوگے اور جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ گے اور حکم کی بجا آوری کروگے تو تمہیں بہت ساری نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے وہی کیا جو حدیبیہ کے موقعہ پر کیا تھا یعنی بزدلی سے بیٹھے رہے جہاد میں شرکت نہ کی احکام کی تعمیل سے جی چرایا تو تمہیں المناک عذاب ہوگا۔ پھر جہاد کے ترک کرنے کے جو صحیح عذر ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے پس دو عذر تو وہ بیان فرمائے جو لازمی ہیں یعنی اندھاپن اور لنگڑاپن اور ایک عذر وہ بیان فرمایا جو عارضی ہے جیسے بیماری کہ چند دن رہی پھر چلی گئی، پس یہ بھی اپنی بیماری کے زمانہ میں معذور ہیں، ہاں تندرست ہونے کے بعد یہ معذور نہیں، پھر جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ خدا رسول کا فرمانبردار جنتی ہے اور جو جہاد سے بے رغبتی کرے اور دنیا کی طرف سراسر متوجہ ہو جائے معاش کے پیچھے معاد کو بھول جائے اس کی سزا دنیا میں ذلت اور آخرت میں دکھ کی مار ہے:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور

مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو لگے ہاتھ فتح

؎۵ محققین کی رائے میں اس پیشگوئی کا صاف رخ روم اور ایران کی مسیحی، مجوسی اقوام کیجانب ہے جو جدید آلات جنگ سے مسلح ہوں گی۔ مفسر ابن کثیر نے خود بھی لکھا ہے کہ بعض مفسرین نے بنو حنیفہ بھی مراد لئے ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا تھا بلکہ فقہاء مفسرین نے انہیں آیات سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کی صحت پر دلیل بھی پیش کی ہے چنانچہ مدارک نے لکھا ہے کہ "وفی الآیۃ دلالۃ صحۃ خلافۃ الشیخین حیث وعدھم الثواب علی طاعۃ الداعی عند دعوتہ۔ ممکن شاید اس دور میں آپ کی اس پیشگوئی کو ادراک کرنے میں تامل ہوتا جبکہ ترک کا علاقہ مسلمانوں پر پھیلا ہوا تھا لیکن آج جبکہ یہ علاقہ روسی کیمونسٹ حکومت کے زیر نگین آرہا ہے کون کہہ سکتا کہ (بقیہ صفحہ ۱۰۰ پر دیکھئے

وَّمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَّأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾

دیدی اور (اس فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی (دیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

رضی اللہ عنہم

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بیعت کرنے والے چودہ سو کی تعداد میں تھے اور یہ درخت ببول کا تھا جو حدیبیہ کے میدان میں تھا، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن جب حج کو گئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت الرضوان ہوئی تھی حضرت عبدالرحمن نے واپس آکر یہ قصہ حضرت سعید بن مسیب سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے والد صاحب بھی ان بیعت کرنے والوں میں تھے اُن کا بیان تھا کہ بیعت کے دوسرے سال ہم وہاں گئے لیکن ہم سب کو بھلا دیا گیا وہ درخت ہمیں نہ ملا، پھر حضرت سعید فرمانے لگے تعجب ہے کہ اصحاب رسول خود بیعت کرنے والے تو اس جگہ کو نہ پا سکیں انہیں معلوم نہ ہو لیکن تم لوگ جان لو گویا تم اصحاب رسول سے بھی زیادہ جاننے والے ہو۔ پھر فرماتا ہے ان کی دلی صداقت نیت وفا اور ماننے کی عادت کو خدا نے معلوم کر لیا پس اُن کے دلوں میں اطمینان ڈال دیا اور قریب کی فتح انعام فرمائی۔ یہ فتح وہ صلح ہے جو حدیبیہ کے میدان میں ہوئی جس سے عام بھلائی حاصل ہوئی اور جس کے قریب ہی خیبر فتح ہوا پھر تھوڑے ہی زمانے کے بعد مکہ بھی فتح ہو گیا پھر اور قلعے اور علاقے بھی فتح ہوتے چلے گئے اور وہ عزت و نصرت فتح و ظفر اقبال اور رفعت حاصل ہوئی کہ دنیا انگشت بدندان حیران و پریشان رہ گئی ہے لئے فرمایا کہ بہت سی غنیمتیں عطا فرمائے گا۔ سچے غلبہ والا اور کامل حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ابن ابی حاتم میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا کی کہ لوگو بیعت کے لئے آگے بڑھو روح القدس آ چکے ہیں۔ ہم بھاگے دوڑے حاضر حضور ہوئے، آپ اس وقت ببول کے درخت تلے تھے ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، جس کا ذکر آیت لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ الخ میں ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ کر خود ہی بیعت کر لی، تو ہم نے کہا عثمان بڑے خوش نصیب رہے کہ ہم تو یہاں پڑے ہوئے ہیں اور وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ یہ سنکر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالکل ناممکن ہے کہ عثمان مجھ سے پہلے طواف کرے گو کئی سال تک وہاں رہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ

اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے سو سردست تم کو یہ دیدی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے

أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا

روک دیئے　اور تاکہ یہ (واقعہ) اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی سڑک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٥٩) کہیں انہیں منافقوں سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن سر نہ اٹھائیں؟ ۱۲ م ۵ یہ خدا تعالیٰ کی وہ مصلحت تھی جسکے نتیجہ میں امت کو ایک بڑی گمراہی سے بچانا مقصود تھا یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مقام میں تقدس کے غیر معمولی طور پر قائل ہو کر عقائد میں امت بھٹک جائے لیکن افسوس کہ اسی امت نے آج اتنے صنم اپنے ہاتھوں سے تیار کر لئے کہ بدعات میں بھی کوئی امت اُن سے آگے نہ رہی ۱۲ م اور چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مُّسْتَقِيمًا ﴿٣﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ

پر ڈالدے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَا

ہر چیز پر قادر ہے اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے

رَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٥﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ

پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار اللہ تعالیٰ نے (کفار کیلئے) یہی دستور کر رکھا ہے

مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ

جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ خدا کے دستور میں ردوبدل نہ پاویں گے۔ اور وہ ایسا ہے کہ اس نے انکے ہاتھ تم سے (یعنی تمہارے

عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ

قتل سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ (کے قریب) میں روک دیئے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دیدیا تھا۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٧﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔

ایک وعدہ

ان بہت سی غنیمتوں سے مراد آپ کے زمانے اور بعد کی سب سے غنیمتیں ہیں فوراً حاصل ہونے والی غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے اور حدیبیہ کی صلح ہے، اس خدا کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ کفار کے بُرے ارادوں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا، نہ مکے کے کافروں کے، نہ اُن منافقوں کے جو تمہارے پیچھے مدینے میں رہے تھے نہ یہ تم پر حملہ آور ہو سکے نہ وہ تمہارے بال بچوں کو کچھ ستا سکے، یہ اس لئے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ و ناصر اللہ ہی ہے، پس دشمنوں کی کثرت اپنی قلت سے ہمت نہ ہار دیں، اور یہ بھی یقین کرلیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے بندوں کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیریت سمجھیں گو وہ فرمان بظاہر خلافِ طبع ہو، بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہو وہی تمہارے حق میں بہتر ہو، وہ تمہیں تمہاری حکم بجا آوری اور اتباعِ رسول اور سچی جاں نثاری کے عوض راہِ مستقیم دکھائے گا اور غنیمتیں اور فتمندیاں بھی عطا فرمائے گا جنکا حاصل کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے، لیکن خدا خود تمہاری مدد کرے گا اور اُن مشکلات کو تم پر آسان کردے گا سب چیزیں اللہ کے بس میں ہیں، وہ خدا تعالےٰ سے ڈرنے والے بندوں کو ایسی جگہ سے روزیاں پہنچاتا ہے جو کسی کے خیال میں تو کیا؟ خود اُن کے اپنے خیال میں بھی نہ ہوں، اس غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے جس کا وعدہ صلح حدیبیہ میں پنہاں تھا یا مکے کی فتح ہے یا فارس و روم کے مال ہیں یا وہ تمام فتوحات ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوں گی۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ کفار سے مرعوب اور خائف نہ ہوں گے، کافر مقابلہ پر آئے تو اللہ اپنے رسول ؐ اور مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان بے ایمانوں کو شکست فاش دے گا، یہ پیٹھ دکھائیں گے اور منہ پھیر لیں گے

اور کوئی والی اور مددگار بھی انہیں نہ ملے گا اس لئے کہ وہ خدا اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے آئے ہیں اور اس کے ایماندار بندوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہی اللہ تعالےٰ کی سنت ہے کہ جب کفر و ایمان کا مقابلہ ہو وہ ایمان کو کفر پر غالب کرتا ہے اور حق کو ظاہر کر کے باطل کو دبا دیتا ہے جیسے کہ بدر والے دن بہت سے کافروں کو جو باسامان تھے چند مسلمانوں کے مقابلہ میں جو بے سر و سامان تھے شکستِ فاش دی۔ پھر اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ فرماتا ہے میرے اس احسان کو بھی نہ بھولو کہ میں نے مشرکوں کے ہاتھ تم تک نہ پہنچنے دیئے اور تمہیں بھی مسجدِ حرام کے پاس لڑنے سے روک دیا اور تم میں اُن میں صلح کرا دی، جو دراصل تمہارے حق میں سراسر بہتر ہے دنیا کے اعتبار سے بھی کیا اور آخرت کے اعتبار سے بھی وہ حدیث یاد ہوگی جو اسی سورت کی تفسیر میں بہ روایت حضرت سلمہ بن اکوعؓ گذر چکی ہے کہ جب ستر کافروں کو باندھ کر صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا انہیں جانے دو ان کی طرف سے ہی ابتدا ہو اور انہی کی طرف سے دوبارہ شروع ہو، اسی سلسلہ میں یہ آیت اُتری، مسند احمد میں ہے کہ اسی کافر ہتھیاروں سے آراستہ جبلِ تنعیم کی طرف سے چھپ چھپاتے موقعہ پا کر اُتر آئے لیکن حضورؐ غافل نہ تھے آپ نے فوراً لوگوں کو آگاہ کر دیا سب گرفتار کر لئے گئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے آپ نے ازراہِ مہربانی ان کی خطا معاف فرما دی اور سب کو چھوڑ دیا، اسی کا بیان اس آیت میں ہے، یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مغفل مدنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے جس درخت کا ذکر قرآن میں ہے اسی کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے ہم لوگ بھی آپ کے اردگرد تھے، اس درخت کی شاخیں حضورؐ کی کمر سے لگ رہی تھیں، حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سہیل بن عمرہ آپ کے سامنے تھے حضورؐ نے حضرت علی سے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو اس پر سہیل نے حضور کا ہاتھ تھام لیا اور کہا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے، ہمارے اس صلحنامہ میں ہمارے دستور کے مطابق لکھوائیے، پس آپ نے فرمایا بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو پھر لکھا یہ وہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمدؐ نے اہلِ مکہ سے صلح کی اس پر پھر سہیل نے آپ کا ہاتھ تھام کر کہا کہ اگر آپ رسول اللہ ہی ہیں تو پھر ہم نے بڑا ظلم کیا اس صلحنامہ میں وہی لکھوائیے جو ہم میں مشہور ہے، تو آپ نے فرمایا لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہلِ مکہ سے صلح کی اتنے میں تیس نوجوان کفار ہتھیار بند آن پڑے آپ نے ان کے حق میں بددعا کی خدا نے انہیں بہرا بنا دیا ہم اُٹھے اور ان کے سامنے پیش کر دیا، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں کسی نے امن دی ہے؟ یا تم کسی کی ذمہ داری پر آئے ہو؟ انہوں نے انکار کیا، لیکن باوجود اس کے آپ نے ان سے درگذر فرمایا اور انہیں چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت وَهُوَ الَّذِي الخ نازل ہوئی (نسائی) ابن جریر میں ہے جب حضورؐ قربانی کے جانور لے کر چلے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ گئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کی اے نبی اللہ آپ ایک ایسی قوم کی بستی میں جا رہے ہیں جو برسرِ پیکار ہیں اور آپ کے پاس نہ تو ہتھیار ہیں نہ اسباب، حضورؐ نے یہ سنکر آدمی بھیجکر مدینہ سے ہتھیار اور کل سامان منگوا لیا جب آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو مشرکین نے آپ کو روکا کہ آپ مکہ میں نہ آئیں آپ نے سفر جاری رکھا اور منیٰ میں جا کر قیام کیا آپ کے جاسوس نے آ کر آپ کو خبر دی کہ عکرمہ بن ابوجہل پانچسو کا لشکر لے کر آپ پر چڑھائی کرنے آ رہا ہے، آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے خالد تیرا چچا زاد بھائی لشکر لے کر آ رہا ہے، حضرت خالدؓ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ میں خدا کی تلوار ہوں اور اس کے رسول کی، اسی دن سے آپ کا لقب سیف اللہ ہوا مجھے آپ جہاں چاہیں اور جس کے مقابلہ میں چاہیں بھیجیں، چنانچہ عکرمہ کے مقابلہ کے لئے آپ روانہ ہوئے، گھاٹی میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی حضرت خالدؓ نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عکرمہ کے پاؤں نہ جمے اسے مکہ کی گلیوں تک پہنچا کر حضرت خالدؓ واپس آ گئے لیکن پھر دوبارہ تازہ دم ہو کر مقابلہ پر آیا اب کی مرتبہ بھی شکست کھا کر مکہ کی گلیوں تک پہنچ گیا، وہ پھر تیسری مرتبہ نکلا اس مرتبہ بھی یہی حشر ہوا

اسی کا بیان آیت وَھُوَ الَّذِیْ کَفَّ الخ میں ہے، پس اللہ تعالٰے نے باوجود حضورؐ کی ظفرمندی کے کفار کو بھی بچا لیا تاکہ جو مسلمان ضعفاء اور کمزور مکہ میں تھے انہیں اسلام لشکر کے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے، لیکن اس روایت میں بہت کچھ تامل ہے، ناممکن ہے کہ یہ حدیبیہ والے واقعہ کا ہو اس لئے کہ اس وقت تک تو حضرت خالد مسلمان ہی نہ ہوئے تھے بلکہ مشرکین کے ایک فوجی دستہ کے یہ اس دن سردار تھے، جیسے کہ صحیح حدیث میں موجود ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ واقعہ عمرۃ القضا کا ہو۔ اس لئے کہ حدیبیہ کے صلحنامہ کی شرائط کے مطابق یہ طے شدہ امر تھا کہ اگلے سال حضورؐ آئیں عمرہ ادا کریں۔ اور تین دن تک مکہ میں ٹھیریں چنانچہ اسی قرارداد کے مطابق جب حضورؐ تشریف فرما ہوئے تو کافروں نے آپ کو روکا نہیں نہ آپ سے جنگ وجدال کیا اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہو اس لئے کہ فتح مکہ والے سال آپ اپنے ساتھ قربانیاں لے کر نہیں گئے تھے اس وقت تو جنگی حیثیت سے آپ گئے تھے لڑنے اور جہاد کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے، پس اس روایت میں بہت کچھ خلل ہے اور اس میں ضرور قباحت ہوئی ہے خوب سوچ لینا چاہیئے واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس آدمی بھیجے کہ وہ حضورؐ کے لشکر کے ارگرد گھومتے رہیں اور موقع پا کر کچھ نقصان پہنچائیں یا کسی کو گرفتار کر کے لے آئیں۔ یہاں یہ سارے کے سارے پکڑ لئے گئے۔ لیکن پھر حضورؐ نے انہیں معاف فرما دیا، اور سب کو چھوڑ دیا، انہوں نے آپ کے لشکر پر کچھ پتھر بھی پھینکے تھے اور کچھ تیر بھی چلائے تھے، یہ بھی مروی ہے کہ ایک صحابی جنہیں ابن زنیم کہا جاتا تھا حدیبیہ کے ایک ٹیلے پر چڑھے تھے مشرکین نے تیر باری کر کے آپ کو شہید کر دیا حضورؐ نے کچھ سوار ان کے تعاقب میں روانہ کئے وہ ان سب کو جو تعداد میں بارہ سوار تھے گرفتار کر کے لے آئے آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس میری جانب سے کوئی امان ہے؟ انہوں نے کہا نہیں پوچھا کوئی عہد وپیمان ہے؟ کہا نہیں، لیکن پھر بھی حضورؐ نے انہیں چھوڑ دیا اور اسی بارے میں آیت وَھُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ الخ نازل ہوئی:۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ

وہ یہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور (نیز) قربانی کے

مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ

جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا، اس کے موقع میں پہونچنے سے روکا اور اگر (مکہ میں اسوقت) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں

تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ

جن کی تمکو خبر بھی نہ تھی یعنی اُن کے پس جانیکا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تمکو بھی بیخبری میں ضرر پہونچتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا۔ لیکن ایسا اس لئے نہیں

فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا

کیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جسکو چاہے داخل کر دے اگر یہ ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا

اَلِيْمًا ۝ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ

دیتے جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ

سو اللہ تعالے نے اپنے رسول اور مؤمنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا کیا اور اللہ تعالے نے مسلمانوں

التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ۹ ع ۹ ۳ ۱۱

کو تقوی کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ اس کے اہل ہیں اور اللہ تعالی ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

کفار کی چیرہ دستیاں

مشرکین عرب جو قریش تھے اور جو ان کے ساتھ اس عہد پر تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے ان کی نسبت قرآن خبر دیتا ہے کہ دراصل کفر پر یہ لوگ ہیں، انہوں نے ہی تمہیں مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکا ہے، حالانکہ اصلی حقدار اور زیادہ لائق خانۂ خدا کے تم ہی لوگ تھے پھر ان کی سرکشی اور مخالفت نے انہیں یہاں تک اندھا کر دیا کہ خدا کی راہ کی قربانیوں کو بھی قربانگاہ تک نہ جانے دیا، یہ قربانیاں تعداد میں ستر تھیں جیسے کہ عنقریب اس کا بیان آ رہا ہے انشاء اللہ تعالے۔ پھر فرماتا ہے کہ سردست تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دینے میں راز یہ تھا کہ ابھی چند کمزور مسلمان مکے میں ایسے ہیں جو ان ظالموں کی وجہ سے نہ اپنے ایمان کو ظاہر کر سکے ہیں نہ ہجرت کر کے تم میں مل سکے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو تو یوں دفعۃً اگر تمہیں اجازت دے دی جاتی اور تم اہل مکہ پر چھاپہ مارتے تو وہ مسلمان بھی تمہارے ہاتھوں شہید ہو جاتے اور بے علمی میں ہی تم مستحق گناہ اور مستحق دیت بن جاتے، پس ان کفار کی سزا کو خدا نے کچھ اور پیچھے ہٹا دیا تاکہ ان کمزور مسلمانوں کو چھٹکارا مل جائے اور بھی جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لا چکیں ان کفار پر ابھی اسی وقت غلبہ دے دیتے اور ان کا بالکل خاتمہ کر دیتے، حضرت جُنید بن سُبیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صبح کو میں کافروں کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ رہا تھا لیکن اسی شام کو اللہ تعالے نے میرا دل پھیر دیا۔ میں مسلمان ہو گیا اور اب حضور کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہا تھا، ہمارے ہی بارے میں یہ آیت لَوْلَا رِجَالٌ الخ نازل ہوئی ہے، ہم کل نو شخص تھے سات مرد دو عورتیں (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ ہم تین مرد تھے اور نو عورتیں تھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں اگر یہ مؤمن ان کافروں میں ملے جلے نہ ہوتے تو اللہ تعالے اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو سخت سزا دیتا یہ قتل کر دیئے جاتے پھر فرماتا ہے جبکہ یہ کافر اپنے دلوں میں غیرت و حمیت جاہلیت کو جما چکے تھے صلحنامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے سے انکار کر دیا حضور کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ لکھوانے پر انکار کیا، پس اللہ تعالے اس وقت اپنے نبی اور مؤمنوں کے دل کھول دیئے ان پر اپنی سکینت نازل فرما کر انہیں مضبوط کر دیا اور تقوے کے کلمے پر انہیں جما دیا یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر، جیسے ابن عباس کا فرمان ہے اور جیسے کہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں جب تک وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہہ لیں جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو بچا لیا مگر بوجہ حق اسلام کے[1] اور اس کا حساب اللہ تعالے کے ذمہ ہے اللہ تعالے نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ایک قوم کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ یعنی ان سے کہا جاتا تھا کہ بجز اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالے جل شانہ نے یہاں ان کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہی اس کے زیادہ حقدار اور یہی اس کے قابل بھی تھے، یہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے انہوں نے اس سے تکبر کیا اور مشرکین قریش نے اسی سے حدیبیہ والے دن تکبر کیا پھر بھی رسول اللہ

[1] مطلب یہ کوئی زانی ہو، قاتل ہو مرتد ہو ظاہر ہے کہ اس کی جان لینے کا تو خود اسلام ہی مطالبہ کرتا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مدتِ معینہ تک کے لیے صلحنامہ مکمل کر لیا ابن جریر میں بھی یہ حدیث ان ہی زیادتیوں کے ساتھ مروی ہے لیکن، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری جملے راوی کے اپنے ہیں یعنی حضرت زہریؒ کا اپنا قول ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا حدیث میں ہی ہے، مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد اخلاص ہے، عطاؒ فرماتے ہیں وہ کلمہ یہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ حضرت مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ مراد ہے۔ یہی قول حضرت ابن عمرؓ کا ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مُراد خدا کی وحدانیت کی شہادت ہے جو تمام تقوے کی جڑ ہے حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں اس سے مُراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔ حضرت عطا خراسانی فرماتے ہیں کلمۂ تقویٰ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے، حضرت زہری فرماتے ہیں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مُراد ہے، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مُراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے، پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے، اُسے معلوم ہے کہ مستحق خیر کون ہے؟ اور مستحق شر کون ہے؟ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت اس طرح ہے اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَلَوْ حَمَیْتُمْ کَمَا حَمُوْا لَفَسَدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ یعنی کافروں نے جس وقت اپنے دل میں جاہلانہ ضد پیدا کر لی اگر اس وقت تم بھی ان کی طرح ضد پر آ جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا، جب حضرت عمرؓ کو آپ کی اس قرأت کی خبر پہنچی تو بہت غصّے ہوئے لیکن حضرت اُبیؓ نے فرمایا یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ میں حضورؐ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سکھاتا ہے آپ اس میں سے مجھے بھی سکھاتے تھے، اس پر جناب عمر فاروقؓ نے فرمایا آپ ذی علم اور قرآن داں ہیں آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے سکھایا وہ پڑھیئے اور سکھایئے[۱] (نسائی) ان حدیثوں کا بیان جن میں حدیبیہ کا قصّہ اور صلح کا واقعہ ہے" مسند احمد میں ہے حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیارتِ بیت اللہ کے ارادے سے چلے آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا ستّر اونٹ قربانی کے آپ کے ساتھ تھے کل ساتھی آپ کے سات سو تھے ایک ایک اونٹ دس دس آدمیوں کی طرف سے تھا، آپ جب عسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعبیؓ نے آپ کو خبر دی کہ یا رسول اللہ قریشیوں نے آپ کے آنے کی خبر پا کر مقابلہ کی تیاریاں کر لی ہیں انہوں نے اونٹوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے ساتھ لے لئے ہیں اور چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں، اور عہد و پیمان کر لئے ہیں کہ وہ آپ کو اس طرح مکہ میں نہیں آنے دیں گے، خالد بن ولید کو انہوں نے چھوٹا سا لشکر دے کر کراع غمیم تک پہنچا دیا ہے، یہ سُن کر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا افسوس قریشیوں کو لڑائیوں نے کھا لیا کتنی اچھی بات تھی کہ وہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دیتے اگر وہ مجھ پر غالب آجاتے تو ان کا مقصود پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور لوگوں پر غالب کر دیتا تو پھر یہ لوگ بھی دین اسلام کو قبول کر لیتے اور اگر اس وقت بھی اس دین میں نہ آنا چاہتے تو مجھ سے لڑتے اور اس وقت ان کی طاقت بھی پوری ہوتی، قریشیوں نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ قسم خدا کی اس دین پر میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ یا تو خدا مجھے ان پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرما دے یا میری گردن کٹ جائے پھر آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دائیں طرف حمض کے پیچھے سے اس راستے پر چلیں، جو ثنیۃ المرار کو جاتا ہے اور حدیبیہ مکہ کے نیچے کے حصّے میں ہے، خالد والے لشکر نے جب دیکھا کہ حضورؐ نے راستہ بدل دیا تو یہ دوڑے ہوئے قریشیوں کے پاس گئے اور انہیں اس کی خبر دی اُدھر حضورؐ جب ثنیۃ المرار میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگ کہنے لگے اونٹنی تھک گئی حضور نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس کی بیٹھ جانے کی عادت اسے اس خدا نے روک لیا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک لیا تھا سنو قریش آج مجھ سے جو چیز مانگیں گے جس میں صلہ رحمی ہو میں نہیں دوں گا پھر آپ نے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ پڑاؤ کریں انہوں نے کہا یا رسول اللہ اس پوری وادی میں پانی نہیں آپ نے

[۱] لیکن یہ روایت شاذ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی وجہ سے اعتراض تھا امت نے قرآن مجید میں شاذ اور نادر قرأتوں پر اعتماد نہیں کیا۔

ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا اور فرمایا اسے یہاں کے کسی کنوئیں میں گاڑ دو، اس کے گاڑتے ہی پانی جوش مارتا ہوا اُبل پڑا تمام لشکر نے پانی لے لیا اور وہ برابر بڑھتا چلا جا رہا ہے، جب پڑاؤ ہو گیا اور اطمینان سے بیٹھ گئے اتنے میں بدیل بن ورقا اپنے ساتھ قبیلۂ خزاعہ کے چند لوگوں کو لیکر آیا آپ نے اس سے بھی وہی فرمایا جو بشر بن سفیان سے فرمایا تھا چنانچہ یہ لوگ گئے اور جا کر قریش سے کہا کہ تم لوگوں نے حضور کے بارے میں بڑی عجلت کی حضور تم سے لڑنے نہیں آئے آپ تو صرف بیت اللہ کی زیارت کرنے کو آئے ہیں تم اپنے فیصلے پر دوبارہ نظر ڈالو، دراصل قبیلۂ خزاعہ کے مسلم و کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرفدار تھے مکہ کی خبریں انہی لوگوں سے آپ کو پہنچا کرتی تھی، قریشیوں نے انہیں جواب دیا کہ گو آپ اسی ارادے سے آئے ہوں لیکن یوں اچانک تو ہم انہیں یہاں آنے نہیں دیں گے ورنہ لوگوں میں تو یہی باتیں ہوں گی کہ آپ مکہ میں گئے اور کوئی آپ کو روک نہ سکا۔ انہوں نے پھر مکرز بن حفص کو بھیجا یہ بنو عامر بن لوئی کے قبیلے میں سے تھا اسے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عہد شکن شخص ہے اور اس سے بھی آپ نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے آنے والے دونوں اور شخصوں سے فرمایا تھا، یہ بھی لوٹ گیا اور جا کر قریشیوں سے سارا واقعہ بیان کر دیا، قریشیوں نے پھر حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا یہ مختلف اِدھر اُدھر کے لوگوں کا سردار تھا اسے دیکھکر حضور نے فرمایا یہ اس قوم سے ہے جو خدائی کاموں کی عظمت کرتی ہے اپنی قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو، اس نے جو دیکھا کہ ہر طرف سے قربانی کے نشان دار جانور آ رہے ہیں اور بوجہ رُک جانے کے اُن کے بال اُڑے ہوئے ہیں تو یہ وہیں سے بغیر حضورؐ کے پاس آئے لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ خدا جانتا ہے تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں بیت اللہ سے روکو خدا کے نام کے جانور قربانگاہ سے رُکے کھڑے ہیں یہ سخت ظلم ہے اتنے دن رُکے رہنے سے ان کے بال تک اڑ گئے ہیں میں اپنی آنکھوں دیکھ کر آ رہا ہوں، قریش نے کہا تُو تو نرا اعرابی ہے خاموش ہو کر بیٹھ جا، اب انہوں نے مشورہ کر کے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا عروہ نے اپنے جانے سے پہلے کہا کہ اے قریشیوں جن جن کو تم نے وہاں بھیجا وہ جب واپس آئے تو اُن سے تم نے کیا سلوک کیا یہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے انہیں بُرا کہا ان کی بے عزتی کی ان پر تہمت رکھی ان سے بدگمانی کی میری حالت تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں مثل باپ کے سمجھتا ہوں، تم خوب جانتے ہو کہ جب تم نے ہائے وائے کی میں نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کیا اور جس نے میری بات مانی میں نے اسے اپنے ساتھ لیا اور تمہاری مدد کے لئے اپنی جان مال اور اپنی قوم کو لے کر آ پہنچا، سب نے کہا بیشک آپ سچے ہیں ہمیں آپ سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں آپ جائیے۔ اب یہ چلا اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچکر آپ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا کہ آپ نے اِدھر اُدھر کے کچھ لوگوں کو جمع کر لیا ہے اور آئے ہیں اپنی قوم کی شان و شوکت کو آپ ہی توڑنے کے لئے سنئے یہ قریشی آ ذیہ مصمم ارادہ کر چکے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کے ساتھ ہیں جو چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں وہ خدا کو بیچ میں رکھکر عہد و پیمان کر چکے ہیں کہ ہرگز ہرگز آپ کو اس طرح اچانک زبردستی مکہ میں نہیں آنے دیں گے، خدا کی قسم مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ لوگ جو اس وقت بھیڑ لگائے آپ کے اردگرد کھڑے ہوتے ہیں یہ لڑائی کے وقت ڈھونڈے بھی نہ ملیں گے۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا، آپ اس وقت حضورؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے مسعود کو ان کے اس انداز گفتگو پر متنبہ کیا، ہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں؟ عروہ نے حضور سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا ابو قحافہ کے بیٹے تو کہنے لگا اگر مجھ پر تیرا احسان پہلے کا نہ ہوتا تو میں ضرور تجھے اس کا مزہ چکھاتا۔ اس کے بعد عروہ نے پھر کچھ کہنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی میں ہاتھ ڈالا اس کی اس بے ادبی کو حضرت مغیرہ بن شعبہ فیہ برداشت کر سکے یہ حضورؐ کے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے لوہا ان کے ہاتھ میں تھا وہی اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا اپنا ہاتھ دور رکھ تو حضورؐ کے جسم کو چھو نہیں سکتا۔ یہ کہنے لگا تو بڑا ہی بدزبان اور ٹیڑھا آدمی ہے حضور نے اس پر تبسم فرمایا اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے تو کہنے لگا غدار تُو تو کل تک طہارت بھی نہ جانتا تھا، الغرض اسے بھی حضورؐ نے وہی جواب

دیا جو اس سے پہلے والوں کو دیا تھا اور یقین دلا دیا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے یہ واپس چلا اور اس نے یہاں کا نقشہ دیکھا تھا کہ اصحاب رسول کس طرح حضور کے پروانے بنے ہوئے ہیں، آپ کے وضو کا پانی وہ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں آپ کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے وہ ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں، آپ کا کوئی بال گر پڑے تو ہر شخص لپکتا ہے کہ وہ اسے لے لے جب یہ قریشیوں کے پاس پہنچا تو کہنے لگا اے قریش کی جماعت کے لوگو! میں کسریٰ کے ہاں اس کے دربار میں اور نجاشی کے ہاں اس کے دربار میں ہو آیا ہوں خدا کی قسم میں نے ان بادشاہوں کی بھی وہ عظمت اور وہ احترام نہیں دیکھا جو محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا دیکھا ہے، آپ کے اصحاب تو آپ کی وہ عزت کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے، اب تم سوچ لو اور اس بات کو یاد کر لو کہ اصحاب رسول ایسے نہیں کہ اپنے نبی کو تمہارے ہاتھوں میں دیدیں، اب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بلایا اور انہیں مکہ والوں کے پاس بھیجنا چاہا۔ لیکن اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت خراش بن امیہ خزاعیؓ کو اپنے اونٹ پر جس کا نام ثعلب تھا سوار کرا کے مکے بھیجا تھا قریش نے اس اونٹ کی کوچیں کاٹ دی تھیں اور خود قاصد کو بھی قتل کر ڈالتے لیکن احابیش قوم نے انہیں بچا لیا (شاید اس بنا پر) حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا کہ یا رسول اللہ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں کیونکہ وہاں میرے قبیلہ بنو عدی کا کوئی شخص نہیں جو مجھے ان قریشیوں سے بچانے کی کوشش کرے اس لئے کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آپ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بھیجیں؟ جو ان کی نگاہوں میں مجھ سے بہت زیادہ ذی عزت ہیں، چنانچہ آپ نے حضرت عثمان کو بلا کر انہیں مکہ میں بھیجا کہ جا کر قریش سے کہہ دیں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت اور اس کی عظمت بڑھانے کو آئے ہیں، حضرت عثمانؓ نے شہر میں قدم رکھا ہی تھا جو ابان بن سعید بن عاص کو مل گئے اور اپنی سواری سے اتر کر حضرت عثمان کو آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھا اور اپنی ذمہ داری پر آپ کو لے چلا کہ آپ پیغام رسول اہل مکہ کو پہنچا دیں، چنانچہ آپ وہاں گئے اور قریش کو یہ پیغام پہنچا دیا، انہوں نے کہا کہ آپ تو آ ہی گئے ہیں اگر چاہیں تو بیت اللہ شریف کا طواف کر لیں لیکن ذوالنورین نے جواب دیا کہ جب تک حضورؐ طواف نہ کر لیں ناممکن ہے کہ میں طواف کروں قریشیوں نے جناب عثمان کو روک لیا اور انہیں واپس نہ جانے دیا ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے، زہریؒ کی روایت میں ہے کہ پھر قریشیوں نے سہیل بن عمرو کو آپ کے پاس بھیجا کہ جا کر صلح کر لو لیکن یہ ضروری ہے کہ اس سال آپ مکہ میں نہیں آ سکتے تاکہ عرب ہمیں یہ طعنہ دیں سکیں کہ وہ آئے اور تم روک نہ سکے، چنانچہ سہیل یہ سفارت لیکر چلا جب حضورؐ نے اسے دیکھا تو فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ قریشیوں کا ارادہ اب صلح کا ہو گیا جو اسے بھیجا ہے۔ اس نے حضورؐ سے باتیں شروع کیں، اور دیر تک سوال وجواب اور بات چیت ہوتی رہی شرائط صلح طے ہو گئے صرف لکھنا باقی رہا، حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور فرمانے لگے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں، تو کہا عمرؓ کیا وجہ ہے کہ ہم دینی معاملات میں اتنی کمزوری دکھائیں حضرت صدیق نے فرمایا عمر اللہ کے رسول کی رکاب تھامے رہو، آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، حضرت عمرؓ سے پھر بھی صبر نہ ہو سکا خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسی طرح کہا، آپ نے جواب میں فرمایا سنو میں خدا کا رسول ہوں اور اس کا غلام ہوں میں اس کے فرمان کے خلاف نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضائع نہ کرے گا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہنے کو تو اس وقت جوش میں حضور سے یہ سب کچھ کہہ گیا لیکن پھر مجھے بڑی ندامت ہوئی میں نے اس کے بدلے بہت سے روزے رکھے بہت سی نمازیں پڑھیں اور بہت سے غلام آزاد کئے اس سے ڈر کر مجھے اس گستاخی کی کوئی سزا خدا کی طرف سے نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو صلحنامہ لکھنے کے لئے بلوایا اور فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ اس پر سہیل نے کہا میں اسے نہیں جانتا یوں لکھئے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ آپ نے فرمایا اچھا یونہی لکھو پھر فرمایا لکھو یہ وہ صلحنامہ ہے جو

محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سہیل بن عمرو نے کیا اس بات پر کہ دس سال تک ہم میں کوئی لڑائی نہ ہوگی لوگ امن وامان سے رہیں گی، ایک دوسرے سے بچا ہوا رہے گا اور یہ کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ولی کی اجازت بغیر چلا جائے گا آپ اسے واپس لوٹا دیں گے اور جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشیوں کے پاس چلا جائے گا وہ اسے نہیں لوٹائیں گے ہم میں آپ میں لڑائیاں بند رہیں گی صلح قائم رہے گی کوئی طوق وزنجیر قید وبند بھی نہ ہوگی، اسی میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اور آپ کے عہد وپیمان میں آنا چاہے وہ بھی آسکتا ہے، اس پر بنو خزاعہ جلدی سے بول اٹھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد وپیمان میں آئے ہیں اور بنو بکر نے کہا کہ ہم قریشیوں کے ساتھ ان کے ذمہ میں ہیں صلحنامہ میں یہ بھی تھا کہ اس سال آپ واپس لوٹ جائیں مکہ میں نہ آئیں اس وقت ہم باہر نکل جائیں گے اور آپ اپنے اصحاب سمیت آئیں تین دن مکہ میں ٹھہریں ہتھیار اتنے ہی ہوں جتنے ایک سوار کے پاس ہوتے ہیں، تلواریں میان میں ہوں، ابھی صلحنامہ لکھا جا رہا تھا جو سہیل کے لڑکے حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہے کی بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے گرتے پڑتے مکہ سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ سے نکلتے ہوئے ہی فتح کا یقین کئے ہوئے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھ چکے تھے اس لئے انہیں فتح ہونے میں ذرا سا بھی شک نہ تھا، یہاں آکر انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے اور بغیر طواف کے بغیر زیارت بیت اللہ کے یہیں سے واپس ہونا پڑے گا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر مشقت اٹھا کر صلح کر رہے ہیں تو اس سے وہ بہت ہی پریشان خاطر تھے۔ یہ سب کچھ تو تھا ہی مزید برآں جب حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ جو مسلمان تھے اور جنہیں مشرکین نے قید کر رکھا تھا اور جن پر طرح طرح کے مظالم توڑ رہے تھے یہ سنکر کہ حضور آئے ہوئے ہیں کسی نہ کسی طرح موقع پا کر بھاگ آتے ہیں اور طوق وزنجیر میں جکڑے ہوئے حاضر ہوتے ہیں تو سہیل اٹھ کر انہیں طمانچے مارنے شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے آپ کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہے یہ اس کے بعد آیا ہے لہٰذا اس شرط کے مطابق میں اسے واپس لے جاؤں گا، آپ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے سہیل کھڑا ہوتا ہے اور حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹتا ہوا انہیں لیکر چلتا ہے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ بلند آواز سے کہتے ہیں اے مسلمانوں مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا رہے ہو؟ ہائے یہ میرا دین مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں اس واقعہ نے صحابہ کو اور برافروختہ کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ابوجندل صبر کر اور نیک نیت رہ اور طلب ثواب میں رہ نہ صرف تیرے لئے ہی بلکہ تجھ جیسے جتنے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ راستہ نکالنے والا ہے اور تم سب کو اس درد وغم رنج والم ظلم وستم سے چھڑانے والا ہے ہم چونکہ صلح کر چکے ہیں شرطیں طے ہو چکی ہیں اس بناء پر ہم نے تمہیں سر دست واپس کر دیا ہے ہم غدر کرنا شرائط کے خلاف کرنا عہد شکنی کرنا نہیں چاہتے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو جانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ ابوجندل صبر کرو ان میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہ مشرک لوگ ہیں ان کا خون مثل کتے کے خون کے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کی موٹھ حضرت جندل کی طرف کرتے جا رہے تھے کہ وہ تلوار کھینچ لیں اور ایک ہی وار میں باپ کو پرے پار کریں لیکن حضرت ابوجندل کا ہاتھ باپ پر نہ اٹھا صلحنامہ مکمل ہو گیا فیصلہ پورا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھتے اور حلال جگہ میں بے بس تھے، پھر حضور نے لوگوں سے فرمایا کہ اٹھو اپنی اپنی قربانیاں کر لو اور سر منڈوا لو لیکن ایک بھی کھڑا نہ ہوا تین مرتبہ ایسا ہی[عے] ہوا آپ لوٹ کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمانے لگے لوگوں کو یہ کیا ہو گیا؟ انہوں نے جواب

عے معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے اجمعین، اس کا تصور بھی نہیں (بقیہ صفحہ ۶۹ پر)

دیا یا رسول اللہ اس وقت جس قدر صدمے میں یہ ہیں آپ کو بخوبی معلوم ہے آپ ان سے کچھ نہ کہئے سیدھے اپنی قربانی کے جانور کے پاس جائیے اور آپ جہاں وہ ہو وہیں قربان کر دیجئے اور خود سر منڈوا لیجئے پھر تو ممکن ہے کہ اور لوگ بھی کریں، آپ نے یہی کیا اب کیا تھا ہر ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا قربانی کو قربان کیا اور سر منڈوا لیا اب آپ یہاں سے واپس چلے آدھا راستہ طے کیا ہو گا جو سورۂ الفتح نازل ہوئی یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے اس میں ہے کہ آپ کے ساتھ ایک ہزار کئی سو صحابہ تھے، ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے قربانی کے اونٹوں کو نشان دار کیا اور عمرے کا احرام باندھا اور اپنے ایک جاسوس کو جو قبیلۂ خزاعہ میں سے تھا تجسس کے لئے روانہ کیا غدیر اشطاط میں آ کر اس نے خبر دی کہ قریش نے پورا مجمع تیار کر لیا ہے ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کو بھی انہوں نے جمع کر لیا ہے اور ان کا ارادہ لڑائی کا اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا ہے۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا اب بتلاؤ کیا ہم ان کے اہل وعیال پر حملہ کر دیں؟ اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردن کاٹ دی ہوگی، ورنہ ہم انہیں غمگین چھوڑ کر جائیں گے اگر بیٹھے رہیں گے تو اس غم ورنج میں رہیں گے اور اگر انہوں نے نجات پالی تو یہ گردنیں ہوں گی جنہیں اللہ عزوجل نے کاٹ دی ہوں گی، دیکھو تو بھلا کتنا ظلم ہے کہ ہم نہ کسی سے لڑنے کو آئے نہ کسی اور ارادے سے آئے صرف خدا کے گھر کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں اور وہ ہمیں روک رہے ہیں بتلاؤ ان سے ہم کیوں نہ لڑیں؟ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ آپ بیت اللہ کی زیارت کو نکلے ہیں آپ چلے چلئے ہمارا ارادہ جدال وقتال کا نہیں لیکن جو ہمیں خدا کے گھر سے روکے گا ہم اس سے ضرور لڑیں گے خواہ کوئی ہو آپ نے فرمایا بس اب اللہ کا نام لو اور چل کھڑے ہو۔ کچھ اور آگے چل کر حضورؐ نے فرمایا خالد بن ولید طلائیے کا لشکر لے کر آ رہا ہے پس تم دائیں طرف کو ہو لو خالد کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور حضور مع صحابہ کے ان کے کلے پر پہنچ گئے اب خالد دوڑا ہوا قریشیوں میں پہنچا اور انہیں اس سے مطلع کیا، اونٹنی کا نام اس روایت میں قصواء بیان ہوا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے جب یہ فرمایا کہ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کریں گے میں دوں گا بشرطیکہ حرمتِ خدا کی اہانت نہ ہو، پھر جو آپ نے اونٹنی کو للکارا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی، بدیل بن ورقا خزاعی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جا کر قریشیوں کو جب جواب پہنچاتا ہے تو عروہ بن مسعود ثقفی کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرا کر جو پہلے بیان ہو چکا یہ بھی کہتا ہے کہ دیکھو اس شخص نے نہایت معقول اور مناسب بات کہی ہے اسے قبول کر لو اور جب یہ خود حاضر حضور ہو کر آپ کا یہی جواب آپ کے منہ سے سنتا ہے تو آپ سے کہتا ہے کہ سنئے جناب دو ہی باتیں ہیں یا آپ غالب وہ مغلوب یا وہ غالب آپ مغلوب اگر پہلی بات ہی ہوئی تو بھی کیا ہوا آپ ہی کی قوم ہے آپ نے کسی کو ایسا سنا بھی ہے کہ جس نے اپنی قوم کا ستیاناس کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہو گئی تو یہ جتنے آپ کے پاس ہیں میں تو دیکھتا ہوں کہ سارے ہی آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے وہ جواب دیا ہے پہلے گذر چکا۔ حضرت مغیرہؓ والے بیان میں یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود تھا ان کے مارنے پر عروہ نے کہا غدار میں نے تو تیری غداری میں تیرا ساتھ دیا تھا، بات یہ ہے کہ پہلے یہ جاہلیت کے زمانہ میں کافروں کے ایک گروہ کے ساتھ تھے موقعہ پا کر انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا مال لیکر حاضرِ حضورؐ ہوئے۔ آپ نے فرمایا تمہارا اسلام تو میں منظور کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں، عروہ نے یہاں یہ منظر بھی بچشم خود دیکھا کہ آپ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی صحابی لپک کر اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے، آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوتے ہی فرمانبرداری کے لئے ایک سے ایک آگے بڑھتا ہے جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کے اعضاء بدن سے گرے ہوئے پانی پر تو قریب ہوتا ہے کہ صحابہ لڑ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸) کہا جا سکتا در اصل شدت میں غم میں، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو محسوس ہی نہیں ہوا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ جب قربانی آپ نے کی تو صحابہ متنبہ ہوئے ظاہر ہے کہ اگر صحابہ میں عدول حکمی کا جذبہ خدانخواستہ ہوتا تو پھر وہ آپ کو دیکھ کر قربانی ہی کیوں کرتے؟

پڑیں، جب آپ بات کرتے ہیں تو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے، حدِ تعظیم یہ ہے کہ صحابہ آنکھ بھر کر آپ کے چہرۂ منور کی طرف تکتے ہی نہیں بلکہ نیچی نگاہوں سے ہر وقت باادب رہتے ہیں، اس نے پھر واپس آن کر یہی حال قریشیوں کو سنایا اور کہا کہ حضور جو انصاف عدل کی بات پیش کر رہے ہیں اسے مان لو، بنو کنانہ کے جس شخص کو اس کے بعد قریش نے بھیجا اسے دیکھ کر حضور اکرم نے فرمایا یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو اور اس کی طرف ہانک دو اس نے جو یہ منظر دیکھا ادھر صحابہ کی زبانی لبیک کی صدائیں سنیں تو کہہ اٹھا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا نہایت لغو حرکت ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ مکرز کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ ایک تاجر شخص ہے، ابھی یہ بیٹھا باتیں کر ہی رہا تھا جو سہیل آ گیا اسے دیکھ کر حضورؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا لو اب کام سہل ہو گیا، اس نے جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا واللہ میں رسول اللہ ہی ہوں گو تم نہ مانو، یہ اس بنا پر جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو آپ نے کہہ دیا تھا کہ یہ حرمات خداوندی کی عزت رکھتے ہوئے مجھ سے جو کہیں گے میں منظور کر لوں گا، آپ نے صلحنامہ لکھواتے ہوئے فرمایا کہ امسال ہمیں یہ بیت اللہ کی زیارت کر لینے دیں گے لیکن سہیل نے کہا یہ ہمیں منظور نہیں ورنہ لوگ کہیں گے کہ ہم دب گئے اور کچھ نہ کر سکے، جب یہ شرط ہو رہی تھی کہ جو کافران میں سے مسلمان ہو کر حضورؐ کے پاس چلا جائے آپ اسے واپس دیدیں گے، اس پر مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور ہم اُسے کافروں کو سونپ دیں، یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں جو حضرت ابو جندلؓ اپنی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آ گئے سہیل نے کہا اسے واپس کیجئے آپ نے فرمایا ابھی تک صلحنامہ مکمل نہیں ہوا میں اسے کیسے واپس کر دوں؟ اس نے کہا پھر تو خدا کی قسم میں کسی طرح اور کسی شرط پر صلح کرنے میں رضامند نہیں ہوں، آپ نے فرمایا تم خود مجھے خاص اس بابت اجازت دیدو اس نے کہا میں اس کی اجازت بھی آپ کو نہیں دونگا آپ نے دوبارہ فرمایا لیکن اس نے پھر بھی انکار کر دیا گو مکرز نے کہا ہاں، ہم آپ کو اس کی اجازت دیتے ہیں، اس وقت حضرت ابو جندلؓ نے مسلمانوں سے فریاد کی ان بیچاروں کو مشرکین بڑی سخت سنگین سزائیں کر رہے تھے، اس پر حضرت عمرؓ حاضر حضور ہوئے اور وہ کہا جو پہلے گذر چکا، پھر پوچھا کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف بھی کرینگے آپ نے فرمایا ہاں یہ تو میں نے کہا ہے لیکن یہ تو نہیں کہ یہ اسی سال ہو گا حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا آپ نے فرمایا بس تو تم وہاں جاؤ گے ضرور اور بیت اللہ کا طواف کرو گے ضرور. حضرت عمر فرماتے ہیں میں پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہی کہا جس کا بیان اوپر گذرا اس میں اتنا اور ہے کہ کیا حضورؐ خدا کے رسول نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے فرمایا ہاں ہیں. پھر میں نے حضورؐ کی پیشن گوئی کا اسی طرح ذکر کیا اور وہی جواب ملا جو ذکر ہوا. جو جواب خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا. اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اپنے اونٹ کو نحر کیا اور نائی کو بلوا کر سر منڈوالیا پھر تو سب صحابہؓ ایک ساتھ کھڑے ہو گئے اور قربانیوں سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کا سر خود مونڈنے لگے اور مارے غم کے اور اژدہام کے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں. اس کے بعد ایمان والی عورتیں حضورؐ کے پاس آئیں جن کے بارے میں آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ الخ نازل ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اس حکم کے ماتحت اپنی دو مشرکہ بیویوں کو اسی دن طلاق دے دی جن میں سے ایک نے معاویہ بن ابوسفیان سے نکاح کر لیا. اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں سے واپس لوٹ کر مدینہ شریف گئے. ابو بصیرؓ نامی ایک قریشی جو مسلمان تھے موقعہ پا کر مکہ سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ شریف پہنچے اُن کے پیچھے ہی دو کافر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عہد نامہ کی بنا پر اس شخص کو آپ واپس کیجئے ہم قریشیوں کے بھیجے ہو قاصد ہیں اور ابو بصیر کو واپس لینے کے لئے آئے ہیں، آپ نے فرمایا اچھی بات ہے میں اسے واپس کر دیتا ہوں چنانچہ آپ نے حضرت ابو بصیر کو انہیں سونپ دیا یہ انہیں لے کر چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے اور بے فکری سے وہاں کھجوریں کھانے لگے تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا واللہ میں دیکھ

رہا ہوں کہ آپ کی تلوار نہایت ہی عمدہ ہے اس نے کہا ہاں بیشک بہت ہی اچھے لوہے کی ہے میں نے بارہا اس کا تجربہ کر لیا ہے اس کی کاٹ کا کیا پوچھنا ہے؟ یوں کہتے ہوئے اس نے تلوار میان سے نکال لی، حضرت ابو بصیرؓ نے ہاتھ بڑھا کر ذرا مجھے دکھانا اس نے دیدی آپ نے ہاتھ میں لیتے ہی تول کر ایک ہی ہاتھ میں اس ایک کافر کا تو کام تمام کیا، دوسرا اس رنگ کو دیکھتے ہی مٹھیاں بند کر کے ایسا بگٹٹ بھاگا کہ سیدھا مدینہ پہنچکر دم لیا اسے دیکھتے ہی حضورؐ نے فرمایا یہ بڑی گھبراہٹ میں ہے کوئی خوفناک منظر دیکھ چکا ہے، اتنے میں یہ قریب پہنچ گیا اور دہائیاں دینے لگا کہ یارسول اللہ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور میں بھی اب تھوڑے دم کا ہی مہمان ہوں دیکھیے وہ آیا اتنے میں حضرت ابو بصیر رضی اللہ تعالٰے عنہ پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ اللہ تعالٰے نے آپ کے ذمہ کو پورا کر دیا آپ نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے ان کے حوالے کر دیا، اب یہ اللہ تعالٰے کی کرمی ہے کہ اس نے مجھے ان سے رہائی دلوائی آپ نے فرمایا افسوس یہ کیسا شخص ہے؟ یہ تو لڑائی کی آگ کو بھڑکانے والا ہے کاش کہ کوئی اسے سمجھا دیتا یہ سنتے ہی حضرت ابو بصیر چونک گئے کہ معلوم ہوتا ہے آپ شاید مجھے دوبارہ مشرکین کے حوالے کر دیں گے، یہ سوچتے ہی حضورؐ کے پاس سے چلے گئے مدینہ کو الوداع کہا اور لمبے قدموں سمندر کے کنارے کی طرف چلدیئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی یہ واقعہ مشہور ہو گیا، ادھر سے ابو جندل بن سہیل رضی اللہ تعالٰے عنہ جنہیں حدیبیہ میں اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کیا تھا وہ بھی موقعہ پا کر پھر مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ راست حضرت ابو بصیرؓ کے پاس چلے آئے، اب یہ ہوا کہ مشرکین قریش میں سے جو بھی ایمان قبول کرتا سیدھا حضرت ابو بصیرؓ کے پاس آجاتا اور یہیں رہتا سہتا یہاں تک کہ ایک خاص معقول جماعت ایسے ہی لوگوں کی یہاں جمع ہو گئی اور انہوں نے یہ کرنا شروع کیا کہ قریشیوں کا جو قافلہ شام کی طرف جانے کے لئے نکلتا یہ اس سے جنگ کرتے جس میں قریشی کفار قتل بھی ہوئے اور ان کے مال بھی ان مہاجر مسلمانوں کے ہاتھ لگے یہاں تک کہ قریشی تنگ آگئے بالآخر انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ حضور خدارا ہم پر رحم فرما کر ان لوگوں کو وہاں سے اپنے پاس بلوا لیجئے ہم ان سب سے دستبردار ہوتے ہیں ان میں سے جو بھی آپ کے پاس آجائے وہ امن میں ہے ہم آپ کو اپنی رشتہ داریاں یاد دلاتے ہیں اور خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ انہیں اپنے پاس بلوا لو، چنانچہ حضورؐ نے اس درخواست کو منظور فرما لیا اور ان حضرات کے پاس آدمی بھیجکر سب کو بلوا لیا اور اللہ عزوجل نے آیت وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ الخ نازل فرمائی۔ ان کفار کی حمیتِ جاہلیت یہ تھی کہ انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنے دی۔ آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھنے دیا، آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت نہ کرنے دی، صحیح بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں ہے حبیب بن ابو ثابتؒ کہتے ہیں میں ابو وائل کے پاس گیا تاکہ ان سے پوچھوں انہوں نے کہا کہ ہم صفین میں تھے ایک شخص نے کہا کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں، پس حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہاں پس سہیل بن حنیف نے کہا اپنی جانوں پر تہمت رکھو ہم نے اپنے تئیں حدیبیہ والے دن دیکھا یعنی اس صلح کے موقعہ پر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی اگر ہماری رائے لڑنے کی ہوتی تو ہم یقیناً لڑتے، حضرت عمرؓ نے آکر کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں کہا پھر ہم کیوں اپنے دین میں جھک جائیں اور لوٹ جائیں حالانکہ اب تک خدائے تعالٰے نے ہم میں ان میں کوئی فیصلہ کن کاروائی نہیں کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں وہ مجھے کبھی بھی ضائع نہ کرے گا یہ جواب سنکر حضرت عمرؓ لوٹ آئے لیکن بہت غصے میں تھے وہاں سے حضرت صدیقؓ کے پاس آئے اور یہی سوال و جواب یہاں بھی ہوئے اور سورہ فتح نازل ہوئی۔ بعض روایات میں حضرت سہیل بن حنیفؓ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے خود ابو جندل والے دن دیکھا کہ اگر مجھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو لوٹانے کی قدرت ہوتی تو میں یقیناً لوٹا دیتا، اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورہ فتح اتری تو حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ سورت انہیں سنائی مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جس وقت

یہ شرط طے ہوئی کہ ان کا آدمی انہیں واپس کیا جائے اور ہمارا آدمی واپس نہ کریں تو حضور سے کہا گیا کہ کیا ہم یہ بھی مان لیں؟ اور لکھ دیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس لئے کہ ہم میں سے جو ان میں جائے خدا اسے ہم میں سے دور ہی رکھے (مسلم) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جب خارجی نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے علیحدگی اختیار کی تو میں نے ان سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے دن جب مشرکین سے صلح کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی لکھ یہ وہ شرائط صلح ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صلح کی تو مشرکین نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو آپ سے ہرگز نہ لڑتے تو آپ نے فرمایا اے علی اسے مٹا دو خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں تیرا رسول ہوں علی اسے کاٹ دو اور لکھو یہ ہے جس پر صلح کی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خدا کی قسم رسول اللہ حضرت علی سے بہت بہتر تھے پھر بھی آپ نے اس لکھے ہوئے کو کٹوا دیا، اس سے کچھ آپ نبوت سے نہیں نکل گئے، مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے دن ستر اونٹ قربان کئے جن میں ایک اونٹ ابوجہل کا بھی تھا، جب یہ اونٹ بیت اللہ سے روک دیئے گئے تو اس طرح نالہ و بکا کرتے تھے جیسے کسی سے اس کا دودھ پیتا بچہ الگ ہو گیا ہو۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں

الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ

انشاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترواتا ہوگا تم کو کسی طرح

لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا

کا اندیشہ نہ ہوگا سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں پھر اس سے پہلے لگتے ہاتھ ایک فتح

قَرِيْبًا ۝۲۷ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ

دیدی۔ وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا دین (یعنی اسلام) دیکر (دنیا میں)

الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸

بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

آپ کا ایک سچا خواب

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ آپ نے اس کا ذکر اپنے اصحاب سے مدینہ شریف میں ہی کر دیا تھا۔ حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بنا پر صحابہ کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہم کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھ لیں گے وہاں جاکر جو رنگت بدلی ہوئی دیکھی یہاں تک کہ صلحنامہ لکھ کر بغیر زیارت بیت اللہ واپس ہونا پڑا تو ان صحابہ پر نہایت شاق گذرا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تو خود حضور

سے یہ کہا بھی کہ آپ نے تو ہم سے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائینگے اور طواف سے مشرف ہوں گے، آپ نے فرمایا یہ صحیح ہے کہ لیکن یہ تو میں نے نہیں کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا آپ نے فرمایا پھر جلدی کیا ہے؟ تم بیت اللہ میں جاؤگے ضرور اور طواف بھی یقیناً کروگے۔ پھر حضرت صدیقؓ سے یہی کہا اور ٹھیک یہی جواب پایا۔ اس آیت میں اِنْ شَآءَ اللّٰہُ ہے یہ استثنا کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے، اس مبارک خواب کی تاویل کو صحابہؓ نے دیکھ لیا اور پورے امن واطمینان کے ساتھ مکہ میں گئے اور وہاں جاکر احرام کھولتے ہوئے بعض نے اپنا سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالٰے سر منڈوانے والوں پر رحم کرے لوگوں نے کہا حضرت اور کتروانے والوں پر بھی، آپ نے دوبارہ یہی فرمایا پھر لوگوں نے وہی کہا آخر تیسری یا چوتھی دفعہ میں آپ نے کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا کی پھر فرمایا بے خوف ہوکر، یعنی مکہ میں جاتے وقت بھی امن وامان سے ہوں گے، اور مکہ کا قیام بھی بے خوفی کا ہوگا۔ چنانچہ عمرۂ قضا میں یہی ہوا یہ عمرہ ذی قعدہ ۷ھ ہجری میں ہوا تھا۔ حدیبیہ سے آپ ذی قعدہ کے مہینے میں لوٹے ذی الحجہ اور محرم تو مدینہ شریف میں قیام رہا، صفر میں خیبر کی طرف گئے اس کا کچھ حصّہ تو بذریعہ جنگ فتح ہوا اور کچھ حصّہ صلح کے طور پر مسخر ہوا، یہ بہت بڑا علاقہ تھا اس میں کھجوروں کے باغات اور کھیتیاں بکثرت تھیں، یہیں کے یہودیوں کو آپ نے بطور خادم یہاں رکھ کر ان سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ باغات اور کھیتیوں کی حفاظت اور خدمت کریں اور پیداوار کا نصف حصّہ دیدیا کریں، خیبر کی تقسیم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان ہی صحابہ میں کی جو حدیبیہ میں موجود تھے ان کے سوا کسی اور کو اس جنگ میں آپ نے حصّہ دار نہیں بنایا، بجز ان لوگوں کے جو حبشے کی ہجرت سے واپس آئے تھے۔ حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے ساتھی اور جنگِ حدیبیہ میں جو حضرات حضور کے ساتھ تھے وہ سب اس فتح خیبر میں بھی ساتھ تھے بجز حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ کے جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی، یہاں سے آپ سالم وغانم واپس تشریف لائے اور ماہ ذوالقعدہ ۷ھ ہجری میں مکہ کی طرف بارادہ عمرہ اہل حدیبیہ کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ سے احرام باندھا قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ لئے اور لبیک پکارتے ہوئے ظہران کے قریب پہنچکر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کچھ گھوڑے سواروں کے ساتھ ہتھیار بند آگے آگے روانہ کیا، اس سے مشرکین کے ہوش اڑ گئے انہیں خیال گذرا کہ یہ تو پوری تیاری اور کامل ساز وسامان کے ساتھ آئے ہیں تو ضرور لڑائی کے ارادے سے ہی آتے ہیں، انہوں نے شرط توڑ دی کہ دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی، چنانچہ یہ لوگ دوڑے ہوئے مکہ میں گئے اور اہلِ مکہ کو اس کی اطلاع دی حضور جب مرّ ظہران میں پہنچے جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان بطن یاجج میں بھیجدیئے مطابقِ شرط صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مکرز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضور آپ کی عادت تو عہد توڑنے کی نہیں، حضورؐ نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لیکر آرہے ہیں، آپ نے فرمایا نہیں، ہم نے تو وہ سب یاجج بھیجدیئے اس نے کہا یہی ہمیں آپ کی ذات سے اُمید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی نیکی اور وفاداری کرنے والے ہیں۔ سردارانِ کفار تو بوجہ غیظ وغضب اور رنج وغم کے شہر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور لوگ جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ سب مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوٹھوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہوگئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو اس پاک لشکر کو اس خدائی فوج کو دیکھ رہے تھے آپ نے قربانی کے جانور ذی طویٰ میں بھیجدیئے تھے۔ خود آپ اپنی مشہور ومعروف اونٹنی قصواء پر سوار تھے، آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لبیک پکار رہے تھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھتے ؎

بِاسْمِ الَّذِیْ لَادِیْنَ اِلَّا دِیْنُهٗ	بِسْمِ الَّذِیْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهٗ
خَلُّوْا بَنِی الْكُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ	اَلْیَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰی تَاْوِیْلِهٖ
كَمَا ضَرَبْنَاكُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ	ضَرْبًا یُزِیْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِیْلِهٖ
وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ	قَدْ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِیْ تَنْزِیْلِهٖ
فِیْ صُحُفٍ تُتْلٰی عَلٰی رَسُوْلِهٖ	بِاَنَّ خَیْرَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِهٖ

یَا رَبِّ اِنِّیْ مُؤْمِنٌ بِقِیْلِهٖ

یعنی اس خدا کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابلِ قبول نہیں، اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اے کافروں کے بچو! حضور کے راستے سے ہٹ جاؤ آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے جیسا آپ کے آنے پر مارا تھا، وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنے وحی میں نازل فرمایا ہے جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار میں اس بات پر ایمان لاچکا ہوں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ تغیر بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضورؐ مرالظہران میں پہنچے تو صحابہؓ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اُٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔ یہ سن کر صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کرلیں اور ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں، آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہو اُسے جمع کرو چنانچہ جمع کیا دسترخوان بچھایا اور کھانے بیٹھے تو حضورؐ کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا پی لیا اور توشے دان بھر لئے۔ آپ مکہ شریف میں آئے سیدھے بیت اللہ گئے قریشی حطیم کیطرف بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چادر کے پلنے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحابؓ سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں، اب آپ نے رکن کو بوسہ دے کر دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا جب رکن یمانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجر اسود تک پہنچے، قریش کہنے لگے تم لوگ تو ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہو گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں تین مرتبہ تو آپ اسی طرح ہلکی دوڑکی سی چال حجر اسود سے رکن یمانی تک چلتے رہے تین پھیرے اسی طرح کئے، چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں بھی اسی طرح طواف میں تین پھیروں کی رمل کیا یعنی دلکی چال چلے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ اصحاب رسول کے لئے مدینے کی آب و ہوا شروع میں کچھ ناموافق پڑی تھی اور بخار کی وجہ سے یہ کچھ لاغر ہو گئے تھے، جب آپ مکہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے کہا یہ لوگ جو آ رہے ہیں انہیں مدینے کے بخار نے کمزور اور سست کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس کلام کی خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی مشرکین حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے لیکر رکن یمانی تک طواف کے تین پہلے پھیروں میں دلکی چال چلیں اور رکن یمانی سے حجر اسود تک جہاں جانے کے بعد مشرکین کی نگاہیں نہیں پڑتی تھیں وہاں اپنی چال چلیں پورے ساتوں پھیروں میں رمل کرنے کو نہ کہنا یہ صرف بطور رحم کے تھا مشرکوں نے جب دیکھا کہ یہ سب کے سب کود کود کر پھرتی اور چستی سے طواف کر رہے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کیوں جی انہی کی نسبت اڑا رکھا تھا کہ مدینے کے بخار نے انہیں سست و لاغر کر دیا ہے؟ یہ لوگ تو فلاں فلاں سے بھی زیادہ چست و چالاک ہیں، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ شریف پہنچ گئے تھے اور روایت میں ہے کہ مشرکین اس وقت قعیقعان کی طرف تھے۔ حضورؐ کا صفا مروہ کی طرف سعی کرنا بھی مشرکوں کو اپنی قوت دکھانے کے لئے تھا حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس دن ہم آپ کو حلقے میں لئے

ہوئے تھے تاکہ کوئی مشرک یا کوئی نا سمجھ آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے. بخاری شریف میں ہے حضور عمرے کے لئے نکلے لیکن کفار قریش نے راستہ روک لیا اور آپ کو بیت اللہ شریف تک جانے دیا آپ نے وہیں قربانیاں کیں اور وہیں یعنی حدیبیہ میں سر منڈ والیا اور ان سے صلح کر لی جس میں یہ طے ہوا کہ آپ اگلے سال عمرہ کریں گے سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لے کر مکہ معظمہ میں نہیں آئیگے اور وہاں اتنی ہی مدت ٹھیریں گے جتنی اہل مکہ چاہیں، پس اگلے سال آپ اسی طرح آئے تین دن تک ٹھیرے پھر مشرکین نے کہا اب آپ چلے جائیں چنانچہ آپ وہاں سے واپس ہوئے. صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اہل مکہ حائل ہوئے تو آپ نے ان سے یہ فیصلہ کیا کہ آپ صرف تین دن ہی مکہ میں ٹھیریں گے جب صلحنامہ لکھنے گئے تو لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہم رسول اللہ جانتے تو ہرگز نہ روکتے بلکہ آپ محمد بن عبد اللہ لکھئے آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں، پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالے عنہ سے فرمایا لفظ رسول اللہ کو مٹا دو. حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں نہیں قسم خدا کی میں اسے ہرگز نہ مٹاؤں گا چنانچہ آپ نے صلحنامہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر باوجود اچھی طرح لکھنا نہ جاننے کے لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے صلح کی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہ مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے صرف تلوار ہو گی اور وہ بھی میان میں اور یہ کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہیگا اسے آپ اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے ساتھیوں میں سے جو مکہ میں رہنے کے ارادے سے ٹھیرنا چاہے گا آپ روکیں گے نہیں، پس جب آپ آئے اور وقتِ مقررہ گذر چکا تو مشرکین حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا آپ حضور سے کہئے کہ اب وقت گذر چکا تشریف لے جائیں چنانچہ آپ نے کوچ کر دیا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالے عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہہ کر آپ کے پیچھے ہولیں حضرت علیؓ نے انہیں لے لیا اور انگلی تھام کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس لے گئے اور اپنے چچا کی لڑکی کو اچھی طرح رکھو حضرت زہراؓ نے بڑی خوشی سے بچی کو اپنے پاس بٹھالیا. اب حضرت علی اور حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ میں جھگڑا ہونے لگا. حضرت علیؓ تو فرماتے تھے انہیں میں لے آیا ہوں اور یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہیں. جعفرؓ فرماتے تھے میری چچازاد بہن ہے اور ان کی خالہ میرے گھر میں ہیں. حضرت زیدؓ فرماتے تھے میرے بھائی کی لڑکی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جھگڑے کا فیصلہ یوں کیا کہ لڑکی کو تو ان کی خالہ کو سونپا اور فرمایا خالہ قائم مقام ماں کے ہے. حضرت علیؓ سے فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں. حضرت جعفرؓ سے فرمایا تو خلق اور خُلق میں مجھ سے پوری مشابہت رکھتا ہے عہ. حضرت زیدؓ سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے. حضرت علیؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ حضرت حمزہؓ کی لڑکی سے نکاح کیوں نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہیں. پھر فرماتا ہے اللہ تعالے جس خیر و مصلحت کو جانتا تھا اور جسے تم نہیں جانتے تھے اس کی بنا پر تمہیں اس سال مکہ میں نہ جانے دیا اور اگلے سال جانے دیا اور اس جانے سے پہلے ہی جس کا وعدہ خواب کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا انہیں قریب فتح عنایت فرمائی یہ فتح وہ صلح ہے جو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان ہوئی. اس کے بعد اللہ تعالی مومنوں کو خوشخبری سُناتا ہے کہ وہ اپنے رسول کو ان دشمنوں اور تمام دشمنوں پر فتح دیگا اس نے آپ کو علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ بھیجا ہے. شریعت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں علم اور عمل پس علم شرعی صحیح علم ہے اور عمل شرعی مقبولیت والا عمل ہے، اس کے اخبار سچے اس کے احکام سراسر عدل و حق والے مشیت یہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے دین ہیں عربوں میں عجمیوں میں مسلمین میں مشرکین میں ان سب پر اس اپنے دین کو غالب عہ اور ظاہر باہر کرے. اللہ کافی گواہ ہے.

عہ یعنی ظاہری شکل و صورت (خَلق) اور عادات و اخلاق ہیں. (خُلق) عہ اسلام کی تمام ادیان و ملل پر غلبہ کی دو صورتیں ہیں. ایک دلائل کے اعتبار سے اسلام کی صداقت تمام مذاہب پر سو یہ بات ہر دور میں حاصل رہی یعنی اسلام ٹھوس دلائل اپنی صداقت اور سچائی کے رکھتا ہے دوسرا مادی اعتبار سے غلبہ مادی غلبہ خود مسلمانوں کے اپنے طرز عمل پر موقوف ہے مسلمانوں نے جب تک اپنا معاملہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶ پر دیکھئے)

اس بات پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی آپ کا مددگار ہے واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم ؞

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا قف يَّبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ

تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ

فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُودِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ

تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا

فِي الْاِنْجِيلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوقِهٖ

یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا

کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلا دے اور اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے

الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيمًا ؏ ۲۹ ع ۴ ۱۲

ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

فداہ روحی

ان آیتوں میں پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت وثنا بیان ہوئی کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں، پھر آپ کے صحابہ کی صفت وثنا بیان ہو رہی ہے کہ وہ مخالفین پر سختی کرنے والے اور مسلمانوں پر لازمی کرنے والے ہیں جیسے اور آیت میں ہے اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ کی مومنوں کے سامنے نرم کفار کے مقابل میں گرم، ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہئے کہ وہ مومنوں سے خوش خلق اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنے والا اور کفر سے ناخوش رہنے قرآن حکیم فرماتا ہے يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ایمان والو اپنے پاس کے کافروں سے جہاد کرو وہ تم میں سختی محسوس کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آپس کی محبت اور نرم دلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵) لقوی اور اسلام کے احکام مطابق رکھا تو وہ طاقت وقوت کے اعتبار سے بھی غالب رہے اور آج بھی اگر ان بنیادی حقائق کو سنبھال لیا جائے تو یقیناً مادی اعتبار سے بھی اسلام کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ ؎ جمہور کی رائے ہے کہ یہ سب ہی صحابہؓ کی تعریف ہے اور حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کی خاص تعریف ؎ لیکن بدقسمتی سے آج اسکا برعکس ہو رہا ہے یعنی مسلمان مسلمان پر غالب وزور آور اور کفار کے سامنے مرعوب المغلوب یہ طرز زندگی اور پھر اسلام کے غلبہ کی تمنا ایں خیال است محال است جنوں۔

دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا کر بتلائیں، پھر ان کا اور وصف بیان فرمایا کہ نیکیاں بکثرت کرتے ہیں خصوصاً نماز جو تمام نیکیوں سے افضل و اعلیٰ ہے، پھر ان کی نیکیوں میں چار چاند لگانے والی چیز کا بیان کیا یعنی ان کے خلوص اور خدا طلبی کا، کہ یہ خدا کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں. یہ اپنے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں جو جنت اور خدا کے فضل سے انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی بھی انہیں عطا فرمائے گا جو بہت بڑی چیز ہے. حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ چہروں پر سجدوں کے اثر سے علامت ہونے سے مُراد اچھے اخلاق ہیں، مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں خشوع اور تواضع ہے. حضرت منصورؒ حضرت مجاہدؒ سے کہتے ہیں میرا تو یہ خیال تھا کہ اس مُراد نماز کا نشان ہے جو ماتھے پر پڑ جاتا ہے. آپ نے فرمایا یہ تو ان کی پیشانیوں پر بھی ہوتا ہے جن کے دل فرعون سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں حضرت سدیؒ فرماتے ہیں نماز ان کے چہرے اچھے کر دیتی ہے بعض سلف سے منقول ہے جو رات کو بکثرت نماز پڑھے گا اس کا چہرہ خوبصورت ہوگا. حضرت جابرؓ کی روایت سے ابن ماجہ کی ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مضمون ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے، بعض بزرگوں نے قول ہے کہ نیکی کی وجہ سے دل میں نور ہوتا ہے چہرے پر روشنی آتی ہے روزی میں کشادگی ہوتی ہے، لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے حالات کی اصلاح کرے اور بھلائیاں پوشیدگی سے کرے اللہ تعالےٰ اس کے چہرے کی سلوٹوں پر اور اس کی زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے، الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے جو اس میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرہ پر ہوتا ہے، پس مؤمن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے، اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہ میں سنوار دیتا ہے امیر المومنین حضرت بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالےٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے. طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص جیسی بات پوشیدہ رکھتا ہے اللہ تعالےٰ اُسے اسی کی چادر اُڑھا دیتا ہے اگر وہ پوشیدگی بھلی ہے تو بھلائی کی اور اگر بُری ہے تو بُرائی کی. لیکن اس کا ایک راوی عراقی متروک ہے. مسند احمد میں آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ٹھوس چٹان میں گھس کر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو کوئی عمل کرے گا اللہ اسے بھی لوگوں کے سامنے رکھ دے گا بُرائی ہو تو اور بھلائی ہو تو، مسند کی اور حدیث میں ہے نیک طریقہ اچھا خلق اور میانہ روی نبوۃ کے پچیس حصہ میں سے ایک حصہ ہے. الغرض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نیتیں خالص تھیں اعمال اچھے تھے پس جس کی نگاہ ان کے پاک چہروں پر پڑتی تھی اُسے ان کی پاکبازی جچ جاتی تھی اور وہ ان کے چال چلن اور ان کے اخلاق اور ان کے طریقۂ کار پر خوش ہوتا تھا، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جن صحابہؓ نے شام کا ملک فتح کیا جب وہاں کے نصرانی ان کے چہرے دیکھتے تو بے ساختہ پکار اُٹھتے خدا کی قسم یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں سے بہت ہی بہتر و افضل ہیں. فی الواقع ان کا یہ قول سچا ہے اگلی کتابوں میں اس امت کی فضیلت و عظمت موجود ہے اور اس امت کی صف اوّل ان کے بہتر و بزرگ اصحاب رسول ہیں اور خود ان کا ذکر بھی آسمانی کتابوں میں اور پہلے کے واقعات میں موجود ہے. پس فرمایا یہی مثال ان کی توراۃ میں ہے. پھر فرماتا ہے اور ان کی مثال انجیل میں مانند کھیتی کے بیان کی گئی ہے جو اپنا سبزہ نکالتی ہے پھر اسے مضبوط اور قوی کرتی ہے پھر وہ طاقتور اور موٹا ہو جاتا ہے اور اپنی بال پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے، اب کھیتی والے کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے؟ اسی طرح اصحاب رسول ہیں کہ انہوں نے آپ کی تائید و نصرت کی پس وہ آپ کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو پٹھے اور سبزے کو کھیتی سے تھا. یہ اس لئے کہ کفار شرمندہ ہوں. حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے رافضیوں کے کفر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہ سے چڑتے ہیں اور ان سے بغض رکھنے والا کافر ہے. علماء کی ایک جماعت بھی اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہے. صحابۂ کرام کے فضائل میں اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں. خود خدائے تعالیٰ نے ان کی تعریفیں بیان کیں اور ان سے

اپنی رضا مندی کا اظہار کیا ہے اور یہ ان کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ پھر فرماتا ہے ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کے گناہ معاف اور ان کا اجرِ عظیم اور رزقِ کریم ثواب جزیل اور بدلہ کبیر ثابت، یاد رہے کہ مِنْهُمْ میں جو مِنْ ہے وہ یہاں بیانِ جنس کے لئے ہے۔ خدا کا یہ سچا اور اٹل وعدہ ہے جو نہ بدلے نہ خلاف ہو۔ ان کے قدم بقدم چلنے والے ان کی روش پر کاربند ہونے والوں سے بھی خدا کا یہ وعدہ ثابت ہے لیکن فضیلت اور سبقت کمال اور بزرگی جو انہیں ہے امت میں سے کسی کو نہیں اللہ ان سے خوش یہ خدا سے راضی یہ جنتی ہو چکے اور بدلے پالئے صحیح مسلم شریف میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پا سکتا۔ الحمد للہ سورۂ فتح کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ حُجُرات مدنیّۃ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اے ایمان والو اللہ اور رسول (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ① یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ

بیشک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا اور (تمہارے سب خیال کو) جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز

صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ

سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھلکر بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال

اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ

برباد ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے

رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ

پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالےٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ③

اور ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے

آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ امتیوں کو اپنے نبی کے آداب سکھاتا ہے کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر و احترام عزت کرنا چاہئے۔ تمام کاموں میں خدا اور رسول کے پیچھے رہنا چاہیے۔ اتباع اور تابعداری کو خو ڈالنی چاہئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو دریافت فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ، فرمایا اگر نہ پاؤ؟ جواب دیا سنتِ رسول اللہ کے ساتھ فرمایا اگر نہ پاؤ، جواب دیا اجتہاد کروں گا، تو آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھکر فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہؐ کے قاصد کو ایسی توفیق دی جس سے خدا کا رسول خوش ہو۔ (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ) یہاں اس حدیث کے ذکر کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت معاذؓ نے اپنی رائے نظر اور اجتہاد کو کتاب و سنت سے مؤخر رکھا۔ پس کتاب و سنت پر رائے کو مقدم کرنا یہ ہے خدا اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف نہ کہو حضرت عوفیؒ فرماتے ہیں حضورؐ کے کلام کے سامنے بولنے سے منع کر دیئے گئے، مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی امر کی بابت اللہ کے رسولؐ کچھ نہ فرمائیں تم خاموش رہو۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں امرِ دین احکام شرعی میں بجز خدا کے کلام کے اور اس کے رسولؐ کی حدیث کے تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کسی قول و فعل میں اللہ اور اس کے رسول کی حدیث کے تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کسی قول و فعل میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر سبقت نہ کرو امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ امام سے پہلے دعا نہ کرو۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے اگر فلاں فلاں میں حکم اترے تو اس طرح رکھنا چاہیئے اسے اللہ نے ناپسند فرمایا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حکم خدا کی بجا آوری میں اللہ کا لحاظ رکھو۔ اللہ تمہاری باتیں سن رہا ہے اور تمہارے ارادے جان رہا ہے۔ پھر دوسرا ادب سکھاتا ہے کہ وہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کریں یہ آیت حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی، صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہؒ سے مروی ہے کہ قریب تھا کہ دو بہترین ہستیاں ہلاک ہو جائیں یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں کی آوازیں حضور کے سامنے بلند ہو گئیں جبکہ بنو تمیم کا وفد حاضر ہوا تھا ایک تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جو بنی مجاشع میں تھے اور دوسرے دوسرے شخص کی بابت کہتے تھے۔ اس پر حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ تم تو میرا اخلاف ہی کیا کرتے ہو۔ فاروق اعظمؓ نے جواب دیا نہیں نہیں آپ یہ خیال بھی نہ فرمایئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد تو حضرت عمرؓ اس طرح حضورؐ سے نرم کلامی کرتے تھے کہ آپ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ فرماتے تھے قعقاع بن معبدؓ کو اس وفد کا امیر بنایئے اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے نہیں بلکہ حضرت اقرع بن حابسؓ کو اس اختلاف میں آوازیں کچھ بلند ہو گئیں جس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا نازل ہوئی اور وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا الخ مسند بزار میں ہے آیت لَا تَرْفَعُوْٓا الخ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہؐ قسم خدا کی اب تو میں آپ سے اس طرح باتیں کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دن تک حضورؐ کی مجلس میں نظر نہ آئے، اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ میں اس کی بابت آپ کو بتلاؤں گا، چنانچہ وہ حضرت ثابتؓ کے مکان پر آئے دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں،

ع قرآن مجید کے مضامین آپسمیں کس درجہ مربوط اور کتنے متعلق ہیں اسی ایک سورت حجرات کے مضامین کو سورہ فتح کے مضامین سے اتنی شدید اور گہری مناسبت ہے کہ بے تکلف قرآن مجید کو ایک مسلسل اور مربوط کلام کہا جاسکتا ہے دیکھیئے سورہ فتح میں تفصیل سے گذرا کہ حدیبیہ کے موقع پر صلحنامہ کی شرائط پر اکثر صحابہ مطمئن نہیں تھے خصوصًا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو اسلامی حمیت و غیرت میں خود سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہی گفتگو اچھے خاصے تلخ لب لہجہ میں کی تھی جذبہ اگرچہ انکا قابل قدر تھا لیکن اسکا مظاہرہ غیر اسلامی تھا سورہ حجرات میں اسی لئے آداب بارگاہ نبوت کی تعلیم دی جارہی ہے۔

پوچھا کیا حال ہے جواب ملا کہ بُرا حال ہے میں تو حضرت کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتا تھا میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا۔ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا واقعہ آپ سے کہہ سنایا پھر تو حضورؐ کے فرمان سے ایک زبردست بشارت لیکر دو بارہ حضرت ثابتؓ کے ہاں گئے حضورؐ نے فرمایا تم جاؤ اور اُن سے کہو تو جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ واقعہ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے پوچھا تھا کہ ثابت کہاں ہیں نظر نہیں آتے۔ اس کے آخر میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم انہیں زندہ چلتا پھرتا دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اہلِ جنت ہیں۔ یمامہ کی جنگ میں جبکہ مسلمان قدرے بددل ہو گئے تو ہم نے دیکھا کہ حضرت ثابتؓ خوشبو مَلے کفن پہنے ہوئے دشمن کیطرف بڑھتے چلے جاتے ہیں اور فرما رہے ہیں مسلمانو تم لوگ اپنے بعد والوں کے لئے بُرا نمونہ چھوڑ جاؤ یہ کہہ کر دشمنوں میں گھس گئے اور بہادرانہ لڑتے رہے یہانتک کہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ صحیح مسلم شریف میں ہے آپ نے جب انہیں نہ دیکھا تو حضرت سعدؓ سے جو ان کے پڑوسی تھے دریافت فرمایا کہ کیا ثابت بیمار ہیں؟ الخ لیکن اس حدیث کی اور سندوں میں حضرت سعدؓ کا ذکر نہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت معلل ہے اور یہی بات صحیح بھی ہے اس لئے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت زندہ ہی نہ تھے۔ بلکہ آپ کا انتقال بنو قریظہ کی جنگ کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ہو گیا تھا اور بنو قریظہ کی جنگ ۵ھ ہجری میں ہوئی تھی اور یہ آیت وفد بنی تمیم کی آمد کے وقت اتری ہے اور وفود کا پے در پے آنے کا واقعہ ۹ھ کا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے جب یہ آیت اُتری تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ راستے میں بیٹھ گئے اور رونے لگے، حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب وہاں سے گذرے اور انہیں روتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو میری آواز بلند ہے، حضرت عاصمؓ یہ سنکر چلے گئے ادھر حضرت ثابتؓ کی ہچکی بندھ گئی دھاڑے مار مار کر رونے لگے گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ حضرت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی ابن سلول سے کہا میں اپنے گھوڑے کے طویلے میں جا رہا ہوں، تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل سے اسے جڑ دو خدا کی قسم میں اس میں سے نہ نکلوں گا یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں یا اللہ تعالےٰ اپنے رسولؐ کو مجھ سے رضامند کر دے۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جب حضرت عاصمؓ نے دربارِ رسالت میں حضرت ثابتؓ کی حالت بیان کی تو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابتؓ کو میرے پاس بُلا لاؤ۔ لیکن جب عاصم رضی اللہ عنہ اس جگہ آئے تو دیکھا کہ حضرت ثابت وہاں نہیں، مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو گھوڑے کے طویلے میں ہیں یہاں آ کر کہا کہ ثابت چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں حضرت ثابتؓ نے کہا بہت خوب کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو، پھر باہر نکل کر سرکاری حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی جس کا سچا جواب حضرت ثابتؓ سے سنکر آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم قابلِ تعریف زندگی جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں جاؤ۔ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا سارا رنج کافور ہو گیا باچھیں کھل گئیں اور فرمانے لگے۔ یا رسول اللہ میں اللہ تعالےٰ کی اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور آئندہ کبھی بھی اپنی آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔ اس پر اس کے بعد کی آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ الخ نازل ہوئی

ف فقہاء کی نکتہ سنجی کی داد دیجئے شاید ہی امت میں فقہاء سے بڑھکر اسلام کو سمجھنے والا کوئی پیدا ہوا ہو، حیف ہے ان لوگوں پر جو امت کے اس برگزیدہ طبقہ کو محض اپنی سوءظنی کی بنیاد پر مطعون کرتا ہے وہ اس ایک آیت سے فقہاء نے چار احکام کا استنباط کیا ہے (۱) آپ کی موجودگی میں گفتگو زور سے نہ کیجائے اور نہ آپؐ کو تم دید کیجائے، یہ نتیجہ آیت سے عبارۃ النص کے طور پر حاصل ہو رہا ہے (۲) جھگڑا لڑائی سخت کلامی آپؐ کے سامنے ممنوع ہے یہ دلالۃ النص ہوئی (۳) زیادہ گفتگو کرنا آپؐ بارگاہ میں ممنوع ہے یہ اشارۃ النص ہے (۴) آپ کے حضور میں بے باکی سے کام لینا ادب و احترام کو ملحوظ نہ رکھنا ناجائز ہے یہ بات باقاعدہ اقتضاء النص سمجھ میں آئی۔

یہ قصہ اسی طرح کئی ایک تابعین سے بھی مروی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آوازیں بلند کرنے سے منع فرما دیا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو شخصوں کی کچھ بلند آوازیں مسجد نبوی میں سنکر وہاں آکر ان سے فرمایا تمہیں معلوم بھی ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں پوری سزا دیتا۔ علمائے کرام کا فرمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے جیسے کہ آپ کی حیات میں آپ کے سامنے مکروہ تھا اس لئے کہ حضورؐ جس طرح اپنی زندگی میں قابل احترام و عزت تھے اب اور ہمیشہ تک آپ اپنی قبر شریف میں بھی باعزت اور قابل احترام ہی ہیں۔ پھر آپ کے سامنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے جس طرح عام لوگوں سے باتیں کرتے ہیں باتیں کرنی منع فرمائی۔ بلکہ آپ سے تسکین و وقار عزت و ادب حرمت و عظمت سے باتیں کرنی چاہئیں۔ جیسے اور جگہ ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا اے مسلمانو۔ رسول کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اس بلند آوازی سے اس لئے روکا ہے کہ ایسا نہ ہو کسی وقت حضورؐ ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے خدا ناراض ہو جائے اور تمہارے کل اعمال ضبط کرے اور تمہیں اسکا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص اللہ کی رضامندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ گذرتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن خدا کو وہ اتنا پسند آتا ہے کہ اسکی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان خدا کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی لیکن خدائے تعالیٰ اُسے اس کلمہ کی وجہ سے جہنم کے اسقدر نیچے کے طبقے میں پہنچا دیتا ہے کہ جو گڑھا زمین و آسمان سے زیادہ گہرا ہے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے سامنے آواز پست کرنے کی رغبت کر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نبیؐ کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کرتے ہیں انہیں اللہ رب العزت نے تقوے کے لئے خالص کر لیا ہے اہل تقویٰ اور محل تقویٰ یہی لوگ ہیں۔ یہ مغفرت خدا کے مستحق اور اجر عظیم کے لائق ہیں۔ امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک تحریری استفتاء لیا گیا کہ اے امیر المومنین ایک وہ شخص جسے نافرمانی کی خواہش ہی نہ ہوا ور نہ کوئی نافرمانی اس نے کی ہو وہ اور وہ شخص جسے خواہش معصیت ہے لیکن وہ برا کام نہیں کرتا تو ان میں افضل کون ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ جنہیں معصیت کی خواہش ہوتی ہے پھر نافرمانیوں سے بچتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے آزما لیا ہے ان کیلئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ع

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ

جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے۔ اور اگر یہ

أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾

لوگ (ذرا) صبر اور انتظار کرتے یہانتک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ انکے لئے بہتر ہوتا کیونکہ ادب کی بات تھی / اور اللہ غفور رحیم ہے

یہ بھی مناسب نہیں

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو آپ کے مکانوں کے پیچھے سے آپ کو آوازیں دیتا اور پکارتے ہیں جس طرح اعرابیوں میں دستور تھا تو فرمایا ان میں سے اکثر بے عقل ہیں پھر اس کی بابت ادب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں چاہئے تھا آپکے انتظار میں ٹھہر جاتے اور جب آپ مکان سے باہر نکلتے تو آپ سے جو کہنا ہوتا کہتے۔ نہ کہ آوازیں دے کر باہر سے پکارتے۔ دنیا اور دین کی مصلحت اور بہتری اسی میں تھی۔ پھر گویا حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ استغفار کرنا چاہئے۔ کیونکہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ آیت حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کو آپ کا نام لیکر پکارا یا محمدؐ یا محمدؐ

ع خاکسار بخشی کا دل اس روایت کو قبول نہیں کرتا تجربہ شاہد ہے کہ جسکے دل میں معصیت کے خطرات برابر آتے رہتے ہیں وہ جتنا بھی ہو تا ہے اور جس کا قلب گناہوں کے تصور سے بھی خالی ہے وہ ابتلا سے محفوظ رہتا ہے اسلئے عمر رضی اللہ عنہ جیسا دقیقہ سنج انسان ایسی بات کیسے کہہ سکتا! بہت ممکن ہے کہ مراد وہ شخص ہو جس کو بے ساختہ تصورات معصیت کے ہوں لیکن اسکے باوجود احتساب فرمایا لیکن اس مقام کو حاصل کرنے کیلئے خواہ مخواہ تصورات معصیت میں غلطاں و پیچاں رہنا حماقت ہے۔

آپ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا تو اُس نے کہا سنو یا رسول اللہ میرا تعریف کرنا سبب ہے بڑائی کا اور میرا مذمت کرنا سبب ہے ذلت کا، آپ نے فرمایا ایسی ذات محض اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ بشر بن غالب نے حجاج کے سامنے بشر بن عطارد وغیرہ سے کہا کہ تیری قوم بنو تمیم کے بارے میں یہ آیت اتری ہے حضرت سعد بن جبیرؓ سے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ عالم ہوتے تو اس کے بعد کی آیت يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا پڑھ دیتے وہ کہتے تھے کہ ہم اسلام لائے اور بنو اسد نے آپ سے کچھ دیر نہیں کی۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرب جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو اگر وہ سچا نبی ہے تو سب سے زیادہ اس سے سعادت حاصل کرنے کے مستحق ہم ہیں اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اس کے پروں تلے پل جائیں گے میں نے آکر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا پھر وہ لوگ آئے اور حجرے کے پیچھے سے آپ کا نام لیکر آپکو پکارنے لگے اس پر یہ آیت اتری۔ حضورؐ نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اللہ تعالےٰ نے تیرے بات سچی کردی، اللہ تعالےٰ نے تیری بات سچی کردی (ابن جریر)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا

اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (۶) وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ

پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں

اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ

بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہونچے لیکن اللہ تعالےٰ نے تمکو ایمان کی محبت دی

وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ط

اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تمکو نفرت دیدی۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (۷) فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۸)

ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ایک اور مناسب ہدایت

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ فاسق کی خبر کا اعتماد نہ کرو، جب تک پوری تحقیق و تفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے، کوئی حرکت نہ کرو، ممکن ہے کسی فاسق شخص نے کوئی جھوٹی بات کہدی ہو یا خود اس سے غلطی ہوئی ہو اور تم اسکی خبر کے مطابق کوئی کام کر گذرو تو دراصل اس کی پیروی ہوگی، اور مفسد لوگوں کی پیروی حرام ہے، اسی آیت کو دلیل بنا کر بعض محدثین کرام نے اس شخص کی روایت کو بھی غیر معتبر بتلایا ہے جسکا حال معلوم نہ ہو، اسلئے کہ بہت ممکن ہے یہ شخص فی الواقع فاسق ہو، گو بعض لوگوں نے ایسے مجہول الحال راویوں کی روایت لی بھی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں فاسق کی خبر مقبول کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس کا حال معلوم نہیں اس کا فاسق ہونا ہم پر ظاہر نہیں، ہم نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے صحیح بخاری شریف کی شرح میں کتاب العلم میں بیان کر دیا ہے، فالحمد للہ، اکثر مفسرین کرامؒ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابو معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلہ بنو مصطلق سے زکوٰۃ لینے کیلئے بھیجا تھا۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے حضرت حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے منظور کرلی اور مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ نے زکوٰۃ کی فرضیت سنائی میں نے اسکا بھی اقرار کیا اور کہا کہ میں واپس اپنی قوم کے پاس جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوٰۃ ادا کریں میں اُن کی زکوٰۃ جمع کرتا ہوں اتنے اتنے دنوں کے بعد آپ میری طرف کسی آدمی کو بھیجدیجئے میں اسکے ہاتھ جمع شدہ مال زکوٰۃ آپ کی خدمت میں بھجوا دونگا حضرت حارثؓ نے واپس آکر یہی کیا مال زکوٰۃ جمع کیا۔ جب وقت مقررہ گذر چکا اور حضورؐ کیطرف سے کوئی قاصد

دیا تو آپ نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا یہ تو ناممکن ہے کہ اللہ کے رسول اپنے وعدے کے مطابق اپنا کوئی آدمی نہ بھیجیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں کسی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ اور اس بنا پر آپ نے اپنا کوئی قاصد مالِ زکوٰۃ کیلیجانیکیلئے نہ بھیجا ہو تو اگر آپ لوگ متفق ہوں تو ہم اس مال کو لیکر خود ہی مدینہ شریف چلیں اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ یہ تجویز طے ہو گئی اور یہ حضرات اپنا مالِ زکوٰۃ لیکر چل کھڑے ہوئے ادھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولید بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیج چکے تھے لیکن یہ حضرات راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ حارث نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے قتل کے درپے ہو گیا اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور کچھ آدمی حارث کی تنبیہ کیلئے روانہ فرما دیئے مدینے کے قریب راستے ہی میں اس مختصر سے لشکر نے حضرت حارث کو پا لیا حضرت حارثؓ نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ تم کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تیری طرف بھیجے گئے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ تو نے حضورؐ کے قاصد ولید کو زکوٰۃ نہ دی بلکہ انہیں قتل کرنا چاہا۔ حضرت حارث نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے نہ میں نے اسے دیکھا نہ وہ میرے پاس آیا، چلو میں تو خود حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ یہاں جو آئے تو حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تو نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے آدمی کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں یا رسول اللہ قسم ہے خدا کی جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے نہ میں نے انہیں دیکھا نہ وہ میرے پاس آئے۔ بلکہ قاصد کو نہ دیکھ کر اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں اور اسی وجہ سے قاصد نہ بھیجا ہو میں خود ہی حاضر خدمت ہوا، اس پر یہ آیت حَكِيمٌ تک نازل ہوئی، طبرانی میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ کا قاصد حضرت حارثؓ کی بستی کے پاس پہنچا تو یہ لوگ خوش ہو کر اسکے استقبال کے لئے خاص تیاری کر کے نکلے ادھر ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ مجھ سے لڑنے کے لئے آ رہے ہیں تو یہ لوٹ کر واپس چلے آئے، انہوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے قاصد واپس چلے گئے تو خود ہی حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد صف بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے اپنے آدمی کو بھیجا ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں ہم بیحد خوش ہوئے لیکن خدا جانے کیا ہوا کہ وہ راستے میں سے ہی لوٹ گئے تو اس خوف سے کہ کہیں خدا ہم سے ناراض نہ ہو گیا ہو ہم حاضر ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ عذر معذرت کرتے رہے عصر کی اذان جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اور روایت میں ہے کہ حضرت ولید کی اس خبر پر ابھی حضورؐ سوچ ہی رہے تھے کہ کچھ آدمی ان کی طرف بھیجیں جو ان کا وفد آ گیا اور انہوں نے کہا کہ آپ کا قاصد آدھے راستے سے ہی لوٹ گیا تو ہم نے خیال کیا کہ آپ نے کسی ناراضگی کی بنا پر انہیں واپسی کا حکم دے دیا ہوگا اسی لئے حاضر ہوئے ہیں ہم اللہ کے غصے سے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور ان کا عذر سچا بتایا اور روایت میں ہے کہ قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ان لوگوں نے تو آپ سے لڑنے کے لئے لشکر جمع کر لیا ہے اور اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں، چنانچہ حضورؐ نے حضرت خالد بن ولید کی زیرِ امارت ایک فوجی دستے کو بھیجا لیکن انہیں فرما دیا تھا کہ پہلے تحقیق و تفتیش اچھی طرح کر لینا جلدی سے حملہ نہ کر دینا۔ اسی کے مطابق حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر اپنے جاسوس شہر میں بھیج دیئے وہ خبر لائے کہ وہ لوگ دین اسلام پر قائم ہیں مسجد میں اذانیں ہوئیں جنہیں ہم نے خود سنا اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے خود دیکھا، صبح ہوتے ہی حضرت خالدؓ خود گئے، اور وہاں کے اسلامی منظر سے خوش ہوئے واپس آن کر سرکار نبوی میں ساری خبر دی، اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت قتادہؒ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ تحقیق و تلاش بردباری اور دور بینی خدا کی طرف سے ہے اور عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ سلف میں سے حضرت قتادہؒ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے یہی ذکر کیا ہے جیسے ابن ابی لیلیٰ یزید بن رومان، ضحاک، مقاتل بن حیان وغیرہ۔ ان سب کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں ان کی تعظیم و توقیر کرنا عزت و ادب کرنا ان کے احکام کو سر آنکھوں سے بجا لانا تمہارا فرض ہے وہ تمہاری مصلحتوں سے بہت آگاہ ہیں۔ انہیں تم سے بہت محبت ہے، وہ تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ تم اپنی بھلائی کے اتنے خواہاں اور اتنے واقف نہیں ہو جتنے حضورؐ ہیں چنانچہ اور جگہ ارشاد ہے اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی نبی سزاوار تر ہیں مسلمانوں کے کاموں میں بہ نسبت ان کی اپنی جانوں کے۔ پھر بیان فرمایا کہ لوگو تمہاری عقلیں جن تمہاری مصلحتوں اور بھلائیوں کو نہیں پا سکتیں انہیں نبیؐ پا رہا ہے، پس اگر وہ تمہاری ہر پسندیدگی کی رائے پر عامل بنتا رہے تو اس میں تمہارا ہی حرج واقع ہوگا۔ جیسے اور آیت میں ہے وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ

عہ اس روایت سے یہ بات صاف ہو گئی کہ قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے انہوں نے آنحضور کے سامنے غلط بیانی سے کام نہیں لیا بلکہ اپنی سمجھ کے مطابق واقعہ بیان کر دیا

لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ یعنی اگر سچا رب ان کی خوشی پہ چلے تو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز خراب ہو جائے۔ یہ نہیں بلکہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن یہ اپنی نصیحت پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا نے ایمان کو تمہارے نفسوں میں محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں میں اس کی عمدگی بٹھا دی ہے، مسند احمد میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے، پھر آپ اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کرتے اور فرماتے تقویٰ یہاں ہے، پرہیزگاری کی جگہ یہ ہے۔ اس نے تمہارے دلوں میں کفر کی اور کبیرہ گناہوں کی تمام نافرمانیوں کی عداوت ڈال دی ہے اور اس طرح بتدریج تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے جن میں یہ پاک وصاف ہیں انہیں خدا نے رشد اور نیکی، ہدایت اور بھلائی دے رکھی ہے، مسند احمد میں ہے احد کے دن جب مشرکین ٹوٹ پڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درستگی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ تو میں اپنے رب عزوجل کی ثنا بیان کر دوں، پس لوگ آپ کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہ دعا پڑھی:- اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ اَللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ وَلَا هَادِيَ لِمَنْ اَضْلَلْتَ وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ النَّعِيْمَ الْمُقِيْمَ الَّذِيْ لَا يَحُوْلُ وَلَا يَزُوْلُ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ النَّعِيْمَ يَوْمَ الْعَيْلَةِ وَالْاَمْنَ يَوْمَ الْخَوْفِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَائِذٌ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اَعْطَيْتَنَا وَمِنْ شَرِّ مَا مَنَعْتَنَا۔ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ ۝ اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ۔ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ ۝ اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ عَلَيْهِمْ رِجْزَكَ وَعَذَابَكَ اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلٰهَ الْحَقِّ۔ (نسائی) یعنی اے اللہ تمام تر تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں۔ تو جسے کشادگی دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا، تو جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے تو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے تو دے اس سے کوئی باز رکھ نہیں سکتا، جسے تو دور کرے اسے قریب کرنیوالا کوئی نہیں اور جسے تو قریب کرے اسے دور کرنیوالا کوئی نہیں، اے اللہ ہم پر اپنی برکتیں، رحمتیں، فضل اور رزق کشادہ کر دے اے اللہ میں تجھ سے وہ ہمیشگی کی نعمتیں چاہتا ہوں جو نہ ادھر ادھر ہوں نہ زائل ہوں، خدایا فقیری اور احتیاج والے دن مجھے اپنی نعمتیں عطا فرما اور خوف والے دن مجھے امن عطا فرما، پروردگار جو تو نے مجھے دے رکھا ہے اور جو نہیں دیا ان سب کی برائی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے معبود ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اسے ہماری نظروں میں زینت دار بنا دے اور کفر بدکاری اور نافرمانی سے ہمارے دلوں میں نفرت پیدا کر دے اور ہمیں راہ یافتہ لوگوں میں کر دے۔ اے ہمارے رب ہمیں اسلام کی حالت میں فوت کر اور اسلام پر ہی زندہ رکھ اور نیک کار لوگوں سے ملا دے، ہم رسوا نہ ہوں، ہم فتنے میں نہ ڈالے جائیں، خدایا ان کافروں کا ستیاناس کر جو تیرے رسولوں کو جھٹلائیں، اور تیری راہ سے روکیں، تو ان پر اپنی سزا اور اپنا عذاب نازل فرما۔ الٰہی اہل کتاب کے کافروں کو بھی تباہ کر اے سچے معبود۔ یہ حدیث امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں لائے ہیں۔ مرفوع حدیث میں ہے جس شخص کو اپنی نیکی اچھی لگے اور برائی اسے ناراض کرے وہ مومن ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بخشش جو تمہیں عطا ہوئی ہے یہ تم پر اللہ کا فضل ہے، اور اس کی نعمت ہے، اللہ مستحقین ہدایت کو اور مستحقین ضلالت کو بخوبی جانتا ہے، وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے۔"

وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے

عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جاوے پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان

؏ گویا کہ زبان نبوت نے ایمان کا ایک ہلکا سا معیار یہ بھی بتا دیا کہ مومن نیک اعمال سے خوش اور برائیوں سے رنجیدہ ہوتا ہے۔

بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑨ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَ

عدل کیساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو بیشک اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے ۔ مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان

صْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ⑩

اصلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کیجا ئے ۔

ع ۱ / ۱۴

ایک حکم

یہاں حکم ہو رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں لڑنے لگ جائیں تو دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں صلح کرا دیں۔[1] آپس میں دو لڑنے والی جماعتوں کو مومن کہنا اس سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ نافرمانی گو کتنی ہی بڑی ہو انسان کو ایمان سے الگ نہیں کرتی، خارجیوں کا اور ان کے موافق معتزلہ کا مذہب اس بارے میں خلاف حق ہے۔[2] اسی آیت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے آپ کے ساتھ منبر پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی تھے آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے کبھی لوگوں کیطرف اور فرماتے کہ میرا یہ بچہ سید ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا، آپکی یہ پیشین گوئی سچی نکلی اور اہل شام اور اہل عراق میں بڑی لمبی لڑائیوں اور بڑے ناپسندیدہ واقعات کے بعد آپ کی وجہ سے صلح ہو گئی، پھر ارشاد ہوتا ہے اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے تاکہ وہ پھر ٹھکانے آجائے حق کو سنے اور مان لے صحیح حدیث میں ہے اپنے بھائی کی مدد کر ظالم ہو تو اور مظلوم ہو تو حضرت انس نے پوچھا کہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو ظاہر ہے لیکن ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ حضور نے فرمایا اسے ظلم سے باز رکھو یہی اسکی اسوقت کی مدد ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ اچھا ہو اگر آپ عبداللہ بن ابی کے ہاں چلے چلتے، چنانچہ آپ سوار ہوئے اور صحابہ آپ کی ہم رکابی میں ساتھ ہوئے زمین شور تھی جب حضور وہاں پہنچے تو یہ کہنے لگا مجھ سے الگ رہئے خدا کی قسم آپ کی سواری کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا اس پر ایک انصاری نے کہا واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی خوشبو تیری بو سے بہت ہی اچھی ہے، اس پر ادھر سے ادھر سے کچھ لوگ بول پڑے اور معاملہ بڑھنے لگا بلکہ کچھ ہاتھا پائی ہو بھی گئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے، حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اوس اور خزرج قبائل میں کچھ چشمک ہو گئی تھی ان میں صلح کرا دینے کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے، حضرت سدی فرماتے ہیں کہ عمران نامی ایک انصاری تھے ان کی بیوی صاحبہ کا نام ام زید تھا۔ اس نے اپنے میکے جانا چاہا خاوند نے روکا اور منع کر دیا کہ میکے کا کوئی شخص یہاں بھی نہ آئے، عورت نے یہ خبر اپنے میکے میں کہلوا دی وہ لوگ آئے اور اسے بالاخانہ سے اتار لائے اور لیجانا چاہا، ان کے خاوند گھر پر تھے نہیں ان کے عزیز و اقارب نے اسکے چچا زاد بھائیوں کو اطلاع دیکر انہیں بلا لیا اور نتیجتاً تلخی پیدا ہو گئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرف کے لوگوں کو بلا کر بیچ میں بیٹھ کر صلح کرا دی اور سب لوگ مل گئے، پھر حکم ہوتا ہے دونوں پارٹیوں میں عدل کرو، اللہ عادلوں کو پسند فرماتا ہے، حضور فرماتے ہیں دنیا میں جو عدل و انصاف کا (نسائی) مسلم کی حدیث میں ہے یہ لوگ ان منبروں پر خدا کی دائیں جانب ہوں گے یہ اپنے حکم میں اور اپنے اہل و عیال میں اور جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے اس میں عدل سے کام لیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا کل مومن دینی بھائی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسلمان کا بھائی ہے، اسے اس پر ظلم و ستم نہ کرنا چاہیے صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے اور صحیح حدیث میں ہے جب کوئی مسلمان اپنے غیر حاضر بھائی مسلمان کے لئے اس کی

---

[1] ان کا یہ کہنا ہے، کہ وہ لڑائی سے قبل تو مومن تھے لیکن جب ارتکاب کر لیا تو مومن نہ رہے اور یہ کہ ان کو خطاب مومن کہکر ہی کیا جاسکتا تھا نہ کہ کافر کہکر "اگر کافروں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں" اور اسی طرح کی ان کی دوسری دلیلیں ہیں۔ ۱۲ م۔

[2] آہ کہ آج مسلمانوں کا طرز عمل اس حکم کے بالکل خلاف ہے، مسلمانوں کے فرقوں کو آپس میں دست و گریباں رکھنا بڑے ہی لطف و لذت کی بات بن گئی۔ [3] امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ❞ جعل الدلیل علی ان المؤمن لا یخرج عن کونہ مومنا لان الباغی جعلہ من احدی الطائفتین وسماھما مومنین ❝ حنفی فقہاء نے ان آیات کے استنباط کیا ہے کہ باغیوں سے قتال، بمقابلہ جہاد کفار کے افضل ہے۔ بقیہ صفحہ ۸۶ پر۔

پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین، اور تجھے بھی خدا ایسا ہی دے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان سارے کے سارے اپنی محبت رحمدلی اور میل جول میں مثل ایک جسم کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی شب بیداری کی تکلیف ہوتی ہے ایک اور صحیح حدیث میں ہے مؤمن مؤمن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا، مسند احمد میں ہے مؤمن کا تعلق اہل ایمان سے ایسا ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے ہے مؤمن اہلِ ایمان کے لئے وہی دردمندی کرتا ہے جو دردمندی جسم کو سر کے ساتھ ہے۔ پھر فرماتا ہے دونوں لڑنے والی جماعتوں اور دونوں طرف کے اسلامی بھائیوں میں صلح کرا دو، اپنے تمام کاموں میں خدا کا ڈر رکھو۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے اللہ کی رحمت تم پر نازل ہوگی، پرہیزگاروں کے ساتھ ہی رب کا رحم رہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا

اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے (کیا عجب ہے کہ جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں

نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَا

پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے

بَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ

کو برے لقب سے پکارو ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام (لگنا ہی) برا ہے اور جو ان حرکتوں سے) باز نہ آدیں گے تو

هُمُ الظَّالِمُونَ ①

وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

مُناسب انتباہ

اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو حقیر و ذلیل کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے روک رہا ہے، حدیث شریف میں ہے تکبر نام ہے حق سے منہ موڑ لینے کا اور لوگوں کو ذلیل و خوار سمجھنے کا۔ اسکی وجہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ جسے تم ذلیل کر رہے ہو جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو ممکن ہے کہ خدا کے نزدیک وہ تم سے زیادہ باوقعت ہو، مردوں کو منع کر کے پھر عورتوں کو بھی اس سے روکا پھر عیب گیری اور نکتہ چینی کرنے سے روکا اور اس ملعون خصلت کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ یعنی ہر طعنہ باز عیب جو کے لئے خرابی ہے۔ ہمز فعل سے ہوتا ہے، اور لمز قول سے، اور آیت میں ہے هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ یعنی وہ جو لوگوں کو حقیر گنتا ہو ان پر چڑھا چلا جا رہا ہو اور لگانے بجھانے والا ہو، غرض ان تمام کاموں کو ہماری شریعت نے حرام قرار دیا، یہاں لفظ تو یہ ہیں کہ خود پر عیب نہ لگاؤ مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ جیسے فرمایا وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رض، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ، مقاتل بن حیان فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو طعنے نہ دے پھر فرمایا کسی کو کوئی چڑ نہ نکالو جس لقب سے وہ ناراض ہوتا ہو اس لقب سے اسے نہ پکارو نہ نام زد کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ جب حضور مدینہ میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے حضور ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے یارسول اللہ یہ اس سے چڑتا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ابوداؤد) پھر فرمان ہے کہ ایمان کی حالت میں فاسقانہ القاب سے آپس میں ایک دوسرے کو نامزد کرنا نہایت بری بات ہے۔ اب تمہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ ظالم گنے جاؤ گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵) ہے۔ اور سند میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عمل کو پیش کیا ہے لیکن احناف کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں بلکہ باغیوں سے جہاد کرنا اسی وقت میں افضل ہوگا جبکہ باغیوں کی بغاوت سے کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا ہو جائے جبکہ مقابلہ میں کفار سے جہاد غیر ضروری ہو جائے۔ ۵۔ مراد وہ ہنسی ہے جس سے دوسری کی دل شکنی ہوتی ہو لیکن اگر دوسرا اس سے محظوظ ہو اور رنجیدہ ہونے کے بجائے مسرور ہو تو وہ ممنوع نہیں، خوش طبعی ہوگی اور مزاح بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ

لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اسبات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اسکو تو تم ناگوار سمجھتے ہو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝

اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے۔

کیسے حکیمانہ احکام

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو بدگمانیوں سے اور تہمت دھرنے سے اور اپنے اور غیروں کو خوفزدہ کرنے سے اور خواہ مخواہ کی دہشت دل میں رکھنے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ بسا اوقات اکثر اس قسم کے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں۔ پس تمہیں اس میں پوری احتیاط چاہئے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہانتک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر۔ ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے؟ تو کیسی اچھی خوشبو والا ہے؟ تو کسقدر عظمت والا ہے؟ اور کیسی بڑی حرمت والا ہے؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ مومن کی حرمت اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنیکی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔ یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں ہی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں بدگمانی سے بچو گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ بھید نہ ٹٹولو ایک دوسرے کی نعمتیں حاصل کرنیکی کوشش میں نہ لگ جایا کرو۔ حسد، بغض اور ایک دوسرے سے منہ پھلانے سے بچو، سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو سہو۔ مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھکر نہ بیٹھ جایا کرو، ایک دوسرے سے میل جول ترک نہ کر لیا کرو۔ ایک دوسرے کا حسد بغض نہ کیا کرو بلکہ سب مل کر خدا کے بندے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گذارو کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑ دے۔ طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لینا، حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا پھر حضورؐ ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کر تو استغفار کر لے جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر۔ اور جب شگون لے خواہ نیک نکلے خواہ بد اپنے کام سے نہ رک اسے پورا کر۔ابو داؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمیں بھید ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا ہے اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہو گئی تو ہم اس پر پکڑ کر سکتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب دجین کے پاس حضرت ابو الہیثم گئے اور ان سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کرا دوں، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا بلکہ انہیں سمجھاؤ، ڈانٹ ڈپٹ کر دو، پھر کچھ دنوں کے بعد آئے اور کہا وہ باز نہیں رہتے اب تو میں ضرور داروغہ کو بلاؤں گا آپ نے فرمایا افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو سنو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے[2] اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو جلا لیا۔ ابو داؤد میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سول

[1] افسوس کہ جوتش، نجوم، جفر، رمل، فال، وغیرہ مذہبی حیثیت سے ان چیزوں سے اسلام نے روکا تھا کتنا افسوس کا مقام ہے کہ دوسرے فرقہ کے لوگ جن کے یہاں مذہبی اعتبار سے ان چیزوں کی جانب سے بے اعتباری ضروری نہیں وہ ان ظنی چیزوں پر یقین نہیں رکھتے لیکن مسلمان جسکو مذہبی حیثیت سے اس بات کا مکلف قرار دیا گیا تھا کہ وہ انہیں اعتماد نہ کریں وہی ان خرافات میں مبتلا ہے آج جبکہ فروری کی یکم ۱۹۶۲ء ہے بعض ہندوستان کے نجومیوں نے عجیب و غریب پیشگوئیاں کیں، دیکھتا ہوں کہ اس پر یقین جتنا مسلمان کر رہے ہیں اتنا شاید غیر مسلموں کو بھی نہیں۔ [2] بشرطیکہ اس پردہ داری سے کسی دوسرے مسلمان کا حق ضائع نہ ہوتا ہو مثلاً ایک شخص کسی لڑکی سے ناجائز تعلق رکھتا ہے یا کسی کی بیوی سے ناجائز تعلقات قائم ہیں تو (بقیہ صفحہ ۸۸ پر)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کی پوشیدگیاں اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہوگا تو تو انہیں بگاڑ دیگا یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کر دے۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہؓ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گہرا اترنا شروع کر دیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے پھر فرمایا کہ تجسس نہ کرو یعنی برائیاں معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو، ٹٹول، جھانک نہ کیا کرو اسی سے جاسوس ماخوذ ہیں تجسس کا اطلاق عموماً برائی پر ہوتا ہے اور تحسس کا اطلاق بھلائی کے ڈھونڈنے پر۔ جیسے حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں فَتَحَسَّسُوْا الخ بچو تم جاؤ اور یوسف اور برادر یوسف کو ڈھونڈو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور کبھی کبھی ان دونوں کا استعمال شر اور برائی میں ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے نہ تجسس کرو نہ تحسس کرو نہ حسد و بغض کرو نہ منہ موڑو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بنجاؤ امام اوزاعی فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو جو کسی کو اپنی باتیں سنانا چاہتے ہوں اور تدابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے روٹھ کر آزردہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو، پھر غیبت سے منع فرماتا ہے، ابوداؤد میں ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو تو کہا گیا اگر وہ بات اس میں ہو جب بھی؟ فرمایا ہاں غیبت تو یہی ہے ورنہ بہتان اور تہمت ہے۔ ابوداؤد میں ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ صفیہؓ تو ایسی ایسی ہیں مسدد راوی کہتے ہیں یعنی کم قامت، تو حضورؐ نے فرمایا تونے ایسی ہی بات کہی ہے کہ سمندر کے پانی میں اگر ملادی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے اور ایک مرتبہ آپکے سامنے کسی شخص کی کچھ ایسی ہی باتیں بیان کی گئیں تو آپ نے فرمایا میں اسے پسند نہیں کرتا گو مجھے کوئی بہت بڑا نفع بھی مل جائے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک بیوی صاحبہ حضرت عائشہؓ کے ہاں آئیں جب وہ جانے لگیں تو صدیقہ نے حضورؐ کو اشارے سے کہا کہ یہ بہت پست قامت ہے، حضورؐ نے فرمایا تم نے ان کی غیبت کی۔ الغرض غیبت حرام ہے اور اس کی حرمت پر مسلمان کا اجماع ہے۔ لیکن ہاں شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کی ایسی بات کا ذکر کرنا غیبت میں داخل نہیں جیسے جرح و تعدیل نصیحت و خیرخواہی جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فاجر شخص کی نسبت فرمایا تھا یہ بہت برا آدمی ہے اور جیسے کہ حضور نے فرمایا تھا معاویہ مفلس شخص ہے اور ابوالجہم بڑا مارنے پیٹنے والا آدمی ہے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا کہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے نکاح کا ارادہ کیا تھا۔ اور بھی جو باتیں اس طرح کی ہوں ان کی تو اجازت ہے باقی اور غیبت حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس سے بہت زیادہ نفرت تمہیں غیبت سے کرنی چاہئے۔ جیسے حدیث میں ہے اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کرکے چاٹ لیتا ہے اور فرمایا بری مثال ہمارے لئے لائق نہیں حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے تمہارے خون مال آبرو تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسی حرمت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے ابوداؤد میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا مال، اس کی عزت اور اس کا خون مسلمان پر حرام ہے۔ انسان کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔ اور حدیث میں ہے اے وہ لوگوں جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایمان دار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدگیوں کو ظاہر کر دے گا، یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔ مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ سنایا جس میں آپ نے پردہ نشین عورتوں کے کانوں میں بھی اپنی آواز پہنچائی اور اس خطبہ میں اوپر والی حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) ظاہر ہے کہ وہ اپنے اس طرز عمل سے یا لڑکی کے باپ کو نقصان پہونچاتا ہے یا بیوی کے شوہر کو ایسی حالت میں پردہ داری مناسب نہ ہوگی دوسری بات یہ بھی ہے کہ برائیوں سے معاشرہ کو نقصان نہ پہونچنے کا امکان ہو تو پردہ داری کریں گے لیکن اگر کسی شخص کی پردہ داری سے معاشرہ کے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے تو پھر ستر عیوب ضروری نہ ہوگا، تیسری بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر مصالح کا تقاضہ ہے کہ کسی کے عیب کو کھولا جائے تو صرف انہیں حدود تک کہ جن حدود میں اس کی اصلاح متوقع ہو عیب کو طشت از بام کرنا۔ اور بلاوجہ کسی کو رسوا کرنا یہ تو کسی حال میں بھی جائز نہیں اور چوتھی بات یہ بھی پیش نظر رہے کہ جس شخص کے عیوب کو چھپایا ہے اسکی انفرادی اصلاح کی کوشش سے غافل نہ ہونا چاہئے یعنی اپنے طور پر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹ پر)

بیان فرمائی ۔ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تیری حرمت و عظمت کا کیا ہی کہنا ہے لیکن تجھ سے بھی بہت زیادہ حرمت ایک ایماندار شخص کی خدا کے نزدیک ہے ابو داؤد میں ہے جس نے کسی مسلمان کی بُرائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اُسے جہنم کی اتنی ہی غذائیں کھلائی جائیں گی ۔ اسی طرح جسنے مسلمان کی بُرائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اُسے اُسی جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی اور جو شخص کسی دوسرے کی بُرائی دکھانے سنانے کو کھڑا ہوا اُسے اللہ تعالٰے قیامت کے دن دکھاوے سناوے کے مقام پر کھڑا کر دے گا ۔ حضورؐ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں ؟ عرض کیا کہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور انکی عزتیں لوٹتے تھے (ابو داؤد) اور روایت میں ہے کہ لوگوں کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا معراج والی رات میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جن میں مرد عورت دونوں تھے ، کہ فرشتے ان کی کروٹوں سے گوشت کاٹتے ہیں اور پھر انہیں اس کے کھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ اسے چبا رہے ہیں میرے سوال پر کہا گیا کہ وہ لوگ ہیں جو طعنہ زن غیبت گو چغل خور تھے انہیں جبراً آج خود ان کا گوشت کھلایا جا رہا ہے (ابن ابی حاتم) یہ حدیث بہت طویل ہے اور ہم نے پوری حدیث سورۂ سبحان کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہے فالحمد للہ مسند ابو داؤد طیالسی میں ہے کہ حضورؐ نے لوگوں کو روزے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں کوئی افطار نہ کرے شام کو لوگ آنے لگے اور آپ سے دریافت کرنے لگے آپ انہیں اجازت دیتے اور وہ افطار کرتے اتنے میں ایک صاحب آئے اور کہا حضورؐ دو عورتیں نے روزہ رکھا تھا جو آپ ہی کے متعلقین میں سے ہیں انہیں بھی آپ اجازت دیجئے کہ روزہ کھول لیں آپ نے اس سے منہ پھیر لیا ، اس نے دوبارہ عرض کی تو آپ نے فرمایا وہ روزے سے نہیں ہیں ، کیا وہ بھی روزہ دار ہو سکتا ہے ؟ جو انسانی گوشت کھاتا رہے جاؤ انہیں کہو کہ اگر وہ روزے سے ہیں تو قے کریں چنانچہ انہوں نے قے کی جس میں خون بستہ کے لوتھڑے نکلے اس نے آکر حضورؐ کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر یہ اسی حالت میں مرجاتیں تو آگ کا لقمہ بنتیں ۔ اس کی سند ضعیف ہے اور متن بھی غریب ہے ، دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا حضورؐ ان دونوں عورتوں کی روزے میں بُری حالت ہے ، مارے پیاس کے مر رہی ہیں اور یہ دوپہر کا وقت تھا ۔ حضورؐ کی خاموشی پر اس نے دوبارہ کہا کہ یا رسول اللہ وہ تو مرگئی ہوں گی یا تھوڑی دیر میں مرجائیں گی آپ نے فرمایا جاؤ انہیں بلا لاؤ جب وہ آئیں تو آپنے دودھ کا بٹنا ایک کے سامنے رکھ کر فرمایا اس میں قے کر اس نے قے کی تو اس میں پیپ خون جامد وغیرہ نکلا جس سے آدھا بٹنا بھر گیا پھر دوسری سے قے کرائی اس میں بھی یہی چیزیں اور گوشت کے لوتھڑے وغیرہ نکلے اور بٹنا بھر گیا اس وقت آپ نے فرمایا انہیں دیکھو حلال سے تو روزہ رکھے ہوئے تھیں اور حرام کھا رہی تھیں دونوں بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے لگی تھیں (یعنے غیبت کر رہی تھیں) مسند احمد ، مسند حافظ ابو یعلیٰ میں ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالٰے عنہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہؐ میں نے زنا کیا ہے آپ نے منہ پھیر لیا یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ کہہ چکے پھر پانچویں دفعہ آپ نے کہا تو نے زنا کیا ہے ؟ جواب دیا ہاں فرمایا جانتا ہے ؟ زنا کسے کہتے ہیں ؟ جواب دیا ہاں جس طرح انسان اپنی حلال عورت کے پاس جاتا ہے اسی طرح میں نے حرام عورت سے کیا ۔ آپ نے فرمایا اب تیرا مقصد کیا ہے ؟ کہا یہ کہ آپ مجھے اس گناہ سے پاک کریں ، آپ نے فرمایا کیا تو نے اسی طرح دخول کیا تھا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور لکڑی کنویں میں ؟ کہا ہاں یا رسول اللہ اب آپ نے انہیں رجم کرنے کا یعنی پتھراؤ کرنے کا حکم دیا ، چنانچہ یہ رجم کر دیئے گئے ۔ اس کے بعد حضورؐ نے دو شخصوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے دیکھو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس نے خود کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح پتھراؤ کیا گیا ۔ آپ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے ۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک مُردہ گدھا پڑا ہوا ہے فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں ؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھائیں انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ اللہ تعالٰے آپ کو بخشے ، کیا یہ کھانے کے قابل ہے ؟ آپ نے فرمایا ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی غیبت کی تھی وہ اس سے بھی زیادہ بُری چیز تھی اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں

(بقیہ صفحہ ۸۸) اس کی اصلاح کی کوشش بہر حال کرتے رہنا چاہئے ۔ عہ یعنی یہ بہت بڑی بُرائی اور ایک بڑا گناہ ہے ۔ عہ یہ گویا کہ روزہ کی حالت میں انہوں نے کسی کی غیبت کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ زبان نبوت محض استعاروں میں بات سمجھانے کی عادی نہیں بلکہ وہ حقائق ہیں جنکو آپ بیان فرماتے ہیں سہ اور بعد میں زندگی کے جو اوقات ملے تو انہیں اپنے حسن اعمال سے گناہوں کے کفارہ کا موقع بہر حال ملجاتا ہے ۔ سہ امیر المومنین کو چاہئے کہ اگر کوئی زنا کا اقرار کرے تو ایسا ہی طرز عمل اختیار کرے کیونکہ کسی کی ضیاع جان نہایت اہم مرحلہ ہے ذرا سی بھی بھول چوک سے ایک انسان کی جان سے کھیلنا مذاق نہیں ۔ تفصیلات (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰ پر)

میری جان ہے وہ شخص جسے تم نے بُرا کہا تھا وہ تو اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے مسند احمد میں ہے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جو نہایت سڑی ہوئی مرداری بُو والی ہوا چلی۔ آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ بُو کس چیز کی ہے؟ یہ بدبو ان کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور روایت میں ہے کہ منافقوں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی ہے یہ بدبو دار ہوا وہ ہے جو حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک سفر میں دو شخصوں کے ساتھ تھے جن کی یہ خدمت کرتے تھے اور وہ انہیں کھانا کھلاتے تھے ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ سو گئے تھے، اور قافلہ آگے چل پڑا اپڑاؤ پر پہنچ کر ان دونوں نے دیکھا کہ حضرت سلمانؓ نہیں آئے تو اپنے ہاتھوں سے انہیں خیمہ کھڑا کرنا پڑا اور غصہ سے کہا سلمان تو بس اتنے ہی کام کا ہے کہ پکی پکائے کھالے، اور تیار خیمے میں آرام کرلے۔ تھوڑی دیر میں حضرت سلمانؓ پہنچے ان دونوں کے پاس سالن نہ تھا تو کہا جاؤ تم اور رسول اللہ سے ہمارے لئے سالن لے آؤ، یہ گئے اور حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ مجھے میرے دونوں ساتھیوں نے بھیجا ہے کہ اگر آپ کے پاس سالن ہو تو دیدیجئے آپ نے فرمایا وہ سالن کیا کریں گے؟ انہوں نے تو سالن پالیا۔ حضرت سلمانؓ واپس گئے اور جاکر ان سے یہ بات کہی، وہ اٹھے اور خود حاضر حضور ہوئے اور کہا حضور ہمارے پاس تو سالن نہیں نہ آپ نے بھیجا آپ نے فرمایا تم نے سلمان کے گوشت کا سالن کھالیا جبکہ تم نے انہیں یوں یوں کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَیْتًا اس لئے کہ وہ سوئے ہوئے تھے، اور یہ ان کی غیبت کر رہے تھے۔ مختار ابوضیا میں تقریبًا ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ہے اس میں بھی ہے کہ حضور نے فرمایا میں تمہارے اس خادم کا گوشت تمہارے دانتوں میں اٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ان کا اپنے غلام سے جبکہ وہ سویا ہوا تھا اور ان کا کھانا تیار نہیں کیا تھا صرف اتنا کہنا مروی ہے کہ یہ تو بڑا ہی سونیوالا ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے حضور سے کہا آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے آپ نے فرمایا جاؤ اسی سے کہو وہ تمہارے لئے استغفار کرے، ابو یعلیٰ میں ہے جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا (یعنی اس کی) قیامت کے دن اس کے سامنے وہ گوشت لایا جائے گا اور کہا جائیگا کہ جیسے اس کی زندگی میں تونے اس کا گوشت کھایا تھا اب مُردے کا گوشت بھی کھا۔ اب یہ چیخے گا چلائے گا ہائے وائے کرے گا اور اسے جبرًا وہ مردہ گوشت کھانا پڑے گا۔ یہ روایت بہت غریب ہے پھر فرماتا ہے اللہ کا لحاظ کرو اسکے احکام بجالاؤ اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ، اور اس سے ڈرتے رہا کرو جو اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو اس پر بھروسہ کرے اس کی طرف رجوع کرے وہ اس پر رحم اور مہربانی فرماتا ہے۔ جمہور علماء کرام فرماتے ہیں غیبت گو کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے اور پھر سے اس گناہ کو نہ کرے، پہلے جو کر چکا ہے اس پر نادم ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی حاصل کرے۔ بعض کہتے ہیں یہ بھی شرط نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اُسے خبر نہ ہو اور معافی مانگنے کو جب جائے گا تو اُسے اور رنج ہوگا بس اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جن مجلسوں میں اس کی برائی بیان کی تھی ان میں اب اس کی بھلائی بیان کرے اور اس برائی کو اپنی طاقت کے مطابق دفع کردے تو ادلا بدلا ہوجائے گا۔ مسند احمد میں ہے جو شخص اس وقت کسی مومن کی حمایت کرے جبکہ کوئی منافق اس کی مذمت بیان کر رہا ہو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر کردیتا ہے جو قیامت والے دن اس کے گوشت کو نار جہنم سے بچالے گا اور جو شخص کسی مومن پر کوئی ایسی بات کہیگا جس سے اسکا ارادہ اُسے مطعون کرنے کا ہو اُسے اللہ تعالیٰ پل صراط پر روک لے گا یہانتک کہ بدلہ ہوجائے یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے۔ ابو داؤد کی ایک اور حدیث میں ہے جو شخص کسی مسلمان کی بے عزتی ایسی جگہ میں کرے جہاں اس کی آبرو ریزی اور توہین ہوتی ہو تو اُسے بھی اللہ تعالیٰ ایسی جگہ رسوا کرے گا جہاں وہ اپنی مدد کا طالب ہو اور جو مسلمان ایسی جگہ اپنے بھائی کی حمایت کرے اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی نصرت کرے گا۔ (ابو داؤد)

(بقیہ صفحہ ۸۹) ان مسائل کی فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ۵۵ یہ سب کچھ آپ نے اس لئے دریافت فرمایا کہ بالکل متعین ہوجائے کہ انہوں نے زنا ہی کیا ہے اور نہیں وہ زنا کی حقیقت پر مطلع ہیں کیونکہ زنا کے لغوی معنے تو صرف پہاڑی چڑھنے کے آتے ہیں اب بہت ممکن ہے کہ کوئی شخص پہاڑ چڑھا ہو اور وہ اس کو زنا سے تعبیر کر رہا ہو اور لفظ زنا کو اصطلاحی معنے پر محمول کرتے ہو رجم کردیں اور اس طرح ایک قیمتی انسانی جان ہمارے معمولی غفلت سے ضائع ہوجائے۔

۵۶ فقہا کا خیال ہے کہ انسان جب صحیح طور پر توبہ کیطرف متوجہ ہوتا ہے تو یقینًا اس کے دل میں اپنی سابقہ بری حرکتوں پر ندامت کا جذبہ موجود ہوتا ہے اس لئے توبہ میں ندامت بھی شرط قرار دینا کچھ غیر ضروری ہی معلوم ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳﴾

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ آپ دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے

تقویٰ اور اس کی مقبولیت

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے، ان ہی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا تھا اور پھر ان دونوں سے نسلِ انسانی پھیلی شعوب قبائل سے عام ہے۔ مثال کے طور پر عرب تو شعوب میں داخل ہے پھر قریش غیر قریش پھر ان کی تقسیم یہ سب قبائل میں داخل ہے، بعض کہتے ہیں کہ شعوب سے مراد عجمی لوگ اور قبائل سے مراد عرب جماعتیں جیسے کہ بنی اسرائیل کو اسباط کہا گیا ہے۔ میں نے ان تمام باتوں کو ایک علیحدہ مقدمہ میں لکھ دیا ہے جسے میں نے ابو عمر بن عبداللہ کی کتاب اشباہ اور کتاب القصد والامم فی معرفۃ انساب العرب والعجم سے جمع کیا ہے۔ مقصد اس آیۂ مبارک کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو مٹی سے پیدا ہوئے تھے ان کی طرف کی نسبت میں تو کل جہاں کے آدمی ہم مرتبہ ہیں۔ اب جو کچھ فضیلت جس کسی کو حاصل ہوگی وہ امر دینی اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ نبوی کی وجہ سے ہوگی۔ یہی راز ہے جو اس آیت کو غیبت کی ممانعت اور ایک دوسرے کی توہین وتذلیل سے روکنے کے بعد ذکر کیا کہ سب لوگ اپنی پیدائشی نسبت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہیں۔ کنبے قبیلے برادریاں اور جماعتیں صرف پہچان کیلئے ہیں تاکہ جتھابندی اور ہمدردی قائم رہے فلاں بن فلاں فلاں قبیلے والا کہا جا سکے اور اس طرح ایک دوسرے کی پہچان آسان ہو جائے، ورنہ بشریت کے اعتبار سے سب قومیں یکساں ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں قبیلہ حمیر اپنے حلیفوں کی طرف منسوب ہوتا تھا اور حجازی عرب اپنے قبیلوں کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نسب کا علم حاصل کرو تاکہ صلہ رحمی کر سکو صلہ رحمی سے لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ تمہارے مال اور تمہاری زندگی میں خدا برکت دے گا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ پھر فرمایا حسب نسب خدا کے ہاں نہیں چلتا وہاں تو فضیلت تقویٰ اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ لوگوں نے کہا ہم یہ عام بات نہیں پوچھتے۔ فرمایا پھر سب سے زیادہ معزز حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے نبی زادے تھے، دادا بھی نبی تھے پردادا تو خلیل اللہ تھے، انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے فرمایا پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟ سنو ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں جب کہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر سے فرمایا خیال رکھ کہ تو کسی سرخ وسیاہ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا ہاں تقوے میں بڑھ جا تو فضیلت والا ہے۔ طبرانی میں ہے مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کیساتھ۔ مسند بزار میں ہے تم سب اولادِ آدم ہو اور خود حضرت آدم مٹی کے پیدا کئے گئے ہیں۔ لوگو اپنے باپ دادوں کے نام پر فخر کرنے سے باز آؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریت کے تودوں اور آبی پرندوں سے بھی زیادہ ہلکے ہو جاؤ گے۔ ابن ابی حاتم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو آپ اپنی چھڑی سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کی جگہ نہ ملی تو لوگوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اتارا اور اونٹنی کو بطن مسیل میں لیکر بٹھایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد وثنا بیان کر کے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کی

لے یقیناً انسان کو جب اپنے عزیز واقارب کا علم ہوتا ہے اور وہ انکو پہنچانتا ہے تو وہ انکے ساتھ حسن وسلوک بھی کرتا ہے اور ان کے حقوق بھی ادا کرتا ہے لیکن اگر کسی کو اپنے عزیز واقارب کا ہی علم نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ کیا حسن معاملت کر سکیگا۔ عبد گویا آپ نے انکو بتایا کہ نسلی شرافت اور خاندانی تفوق بھی اسی وقت معتبر ہے جبکہ آدمی مسلمان ہو ورنہ اسلام میں خالی نجابت وخاندانی فوقیت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام خاندانی اعزاز کا منکر نہیں۔

باپ دادوں پر فخر کرنے پر رسم اب دور کر دی ہے، پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیکوکار پرہیزگار جو خدا کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو خدا کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں مسند احمد میں ہے کہ تمہارے یہ نسب نامے دراصل کوئی کام دینے والے نہیں تم سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہو، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں، ہاں فضیلت دین و تقویٰ سے ہے انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو بخیل اور فحش کلام ہو۔ ابن جریر کی اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسب نسب کو قیامت کے دن نہ پوچھے گا تم میں سب سے معزز بزرگ خدا کے نزدیک وہ ہیں جو تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السّلام منبر پر تھے جو ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ مہمان نواز سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا سب سے زیادہ صلۂ رحمی کرنے والا ہو، مسند احمد میں ہے حضور کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص کبھی بھلا نہیں لگتا تھا بجز تقوے والے کے اللہ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے خبردار ہے، ہدایت کے لائق جو ہیں انہیں راہ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں وہ بے راہ ہو رہے ہیں، رحم اور عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہیں فضیلت اس کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے، یہ تمام امور اس کے علم اور اس کی خبر پر مبنی ہیں اس آیۂ کریمہ اور ان احادیث شریفہ سے استدلال کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں قومیت اور حسب نسب کی شرط نہیں، سوائے دین کے اور کوئی شرط معتبر نہیں، دوسروں نے کہا ہے کہ ہم نسبی اور قومیت بھی شرط ہے اور ان کے دلائل ان کے سوا اور ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اور ہم بھی انہیں کتاب الاحکام میں ذکر کر چکے ہیں فالحمد للہ طبرانی میں حضرت عبدالرحمن سے مروی ہے کہ انہوں نے بنو ہاشم میں سے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ صلعم سے بہ نسبت اور تمام لوگوں کے بہت زیادہ قریب ہوں پس فرمایا تیرے سوا میں بہت زیادہ قریب ہوں اُن سب سے بہ نسبت تیرے اور تجھے آپ سے نسبت ہے

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴﴾ اِنَّمَا

داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اسکے رسول کا کہنا مان لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہ کریگا بیشک اللہ غفور رحیم ہے پورے

الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک کیا اور اپنے مال اور جان سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

خدا کے رستہ میں محنت اٹھائی یہ لوگ ہیں سچے آپ فرما دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو حالانکہ اللہ

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا

کو تو سب آسمان اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ ع

بیشک اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے۔

دیہاتیوں کو ایک تعلیم

جو اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا کر دعویٰ کرنے لگے تھے حالانکہ دراصل

(حاشیہ صفحہ ۹۳ پر دیکھیے)

دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں ان کو اللہ تعالےٰ اس دعوے سے روکتا ہے، یہ کہتے تھے ہم ایمان لائے۔ اللہ تعالےٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ چونکہ اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا تم یوں نہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے یعنی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے نبی کی اطاعت میں آئے اس آیت نے یہ فائدہ دیا کہ ایمان اسلام سے مخصوص چیز ہے جیسے کہ اہلِ سنّت والجماعت کا مذہب ہے ۔ جبریل علیہ السلام والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جبکہ انہوں نے اسلام کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں، گویا کہ عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے اخص کی طرف آئے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السّلام نے چند لوگوں کو عطیہ اور انعام دیا اور ایک شخص کو کچھ بھی نہ دیا، اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا یا رسول اللہ آپ نے فلاں فلاں کو دیا اور فلاں فلاں کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ مؤمن ہے، حضورؐ نے فرمایا یا مسلمان ؟ تین مرتبہ یکے بعد دیگرے حضرت سعدؓ نے یہی کہا اور حضورؐ نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر فرمایا اے سعدؓ میں لوگوں کو دیتا ہوں اور جو ان سے مجھے بہت زیادہ محبوب ہوتا ہے اُسے نہیں دیتا ہوں۔ دیتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں وہ اوندھے منہ آگ میں نہ گر پڑیں۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ پس اس حدیث میں بھی حضورؐ نے مؤمن و مسلم میں فرق کیا اور معلوم ہو گیا کہ ایمان زیادہ خاص ہے بہ نسبت اسلام کے۔ ہم نے اسے مع دلائل صحیح بخاری کی "کتاب الایمان" کی شرح میں ذکر کر دیا ہے فالحمد للہ اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ شخص مسلمان تھے منافق نہ تھے اس لئے کہ آپ نے انہیں کوئی عطیہ عطا نہیں فرمایا اور اُسے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا پس معلوم ہوا کہ یہ اعراب جن کا ذکر اس آیت میں ہے منافق نہ تھے، تھے تو مسلمان لیکن اب تک ان کے دلوں میں ایمان صحیح طور پر مستحکم نہ ہوا تھا اور انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی ہو جانے کا بھی سے دعویٰ کر دیا تھا اس لئے انہیں ادب سکھایا گیا یہی مطلب ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور ابراہیم نخعی اور قتادہؒ کے قول کا اور اسی کو امام ابنِ جریر نے اختیار کیا ہے، ہمیں یہ سب یوں کہنا پڑا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے جو ایمان ظاہر کرتے تھے کہ لیکن اصل مومن نہ تھے، حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت مجاہدؒ حضرت ابن زیدؒ فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم اَسْلَمْنَا کہو اس سے مُراد یہ ہے کہ ہم قتل سے قید و بند سے بچنے کے لئے تابع فرمان ہو گئے ہیں، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں اُتری ہے جو اپنے ایمان لانے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بار احسان رکھتے تھے لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اب تک وہاں پہنچے نہ تھے پس انہیں ادب سکھایا گیا اور جتلایا گیا کہ یہ اب تک ایمان تک نہیں پہنچے، اگر یہ منافق ہوتے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کیجاتی اور ان کی رسوائی کیجاتی جیسے کہ سورۂ برات میں منافقوں کا ذکر کیا گیا، لیکن یہاں تو انہیں صرف ادب سکھایا گیا، پھر فرماتا ہے اگر تم اللہ کی اور اس کے رسول کی مانتے رہو گے تو تمہارے کسی عمل کا اجر ضائع نہ ہوگا۔ جیسے فرمایا مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ہم نے اُن کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں گھٹایا۔ پھر فرمایا جو خدا کی طرف رجوع کرے بُرائی سے لوٹ آئے، اللہ اس کے گناہ معاف فرمانے والا اور اس کی طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر دل سے یقین رکھتے ہیں، پھر نہ شک کرتے ہیں نہ کبھی ان کے دل میں کوئی بُرا خیال پیدا ہوتا ہے بلکہ اسی خالص تصدیق پر اور کامل یقین پر جم جاتے ہیں اور جمے ہی رہتے ہیں اور اپنے نفیس اور دل پسند مالوں کو بلکہ اپنی جانوں کو بھی راہِ خدا کے جہاد میں خرچ کرتے ہیں، یہ سچے لوگ ہیں یعنی یہ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے یہ اُن لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان سے ہی ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں مسند احمد میں ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا

(بقیہ صفحہ ۹۲) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے کہ نکاح میں حسب و نسب کی مساوات شرط ہے امام کا خیال ہے کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ" الخ کا تعلق آخرت سے ہے یعنی آخرت میں سب برابر ہیں خاندانی وجاہت کے اعتبار سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ ہوگی بجز تقویٰ کے کوئی کسی پر فائق نہ ہوگا امام کے مسلک کی تائید مشاہدات و تجربات سے بھی ہوتی ہیں عموماً دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ اگر نسبی مساوات ملحوظ نہ رہے تو یقیناً معاملات میں تلخیاں رونما ہوتی ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو توڑنے کیلئے اپنی پھوپی زاد بہن کی شادی اپنے غلام ہی سے کر دی تھی لیکن دنیا جانتی ہے کہ یہ نکاح راس نہیں آیا حالانکہ وہ عہد وہ تھا جسمیں ہر طرح کی برکات عام تھیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں اس آیت میں "اسلام" سے مراد اسلام لغوی ہے شرعی نہیں (یعنی ماتحت رعایا بننے کے ہیں مسلمان بننے کے نہیں) لہٰذا اس آیت سے ایمان و اسلام کے تغایر پر استدلال کرنا غیر صحیح ہے ۱۲ م ع۵ مطلب یہ ہے کہ وہ غربا جو اپنے افلاس اور عزت کی وجہ سے اسلام پر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴ پر)

شک شبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے راہِ خدا میں جہاد کیا (۲) وہ جن سے لوگوں نے امن پایا نہ یہ کسی کا مال ہڑپ نہ کسی کی جان لیں (۳) وہ جو طمع کیطرف جب جھانکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کیا تم اپنے دل کا یقین و دین خدا کو دکھلاتے ہو؟ وہ تو ایسا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پھر فرمایا جو اعراب اپنے اسلام لانے کا بار احسان آپ پر رکھتے ہیں ان سے کہدو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ تم جو اسلام قبول کرو گے جو میری ماتحتی کرو گے میری مدد کرو گے اس کا نفع تمہیں کو ملے گا، بلکہ دراصل ایمان کی ہدایت تمہیں دینا یہ خدا کا تم پر احسان ہے اگر تم سچے ہو پس اللہ تعالیٰ کا کسی کو ایمان کی راہ دکھانا اس پر احسان کرنا ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین والے دن انصار سے فرمایا تھا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے وجہ سے تمہیں ہدایت دی۔ تم میں تفرقہ تھا میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالدار کر دیا جب کبھی حضور کچھ فرماتے وہ کہتے بیشک اللہ اور اس کا رسول اس سے بھی زیادہ احسانوں والے ہیں۔ بزار میں ہے کہ بنو اسد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ہم مسلمان ہوئے عرب آپ سے لڑتے رہے لیکن ہم آپ سے نہیں لڑے، حضور نے فرمایا ان میں سمجھ بہت کم ہے شیطان ان کی زبانوں پر بول رہا ہے اور یہ آیت یَمُنُّوْنَ الخ نازل ہوئی پھر دوبارہ اللہ رب العزت نے اپنے وسیع علم و اپنی پوری باخبری اور مخلوق کے اعمال سے آگاہی کو بیان فرمایا کہ آسمان و زمین کے غیب اس پر ظاہر ہیں اور وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے الحمد للہ سورۂ حجرات کی تفسیر ختم ہوئی، خدا کا شکر ہے توفیق اور عصمت اسی کے ہاتھ ہے:-

تفسیر سورۂ "ق" مکیہ

جن سورتوں کو مفصل کی سورتیں کہا جاتا ہے ان میں سب سے پہلی سورت یہی ہے گو ایک قول یہ بھی ہے کہ مفصل کی سورتیں سورۂ حجرات سے شروع ہو جاتی ہیں۔ عوام میں جو مشہور ہے کہ مفصل کی سورتیں عم سے شروع ہوتی ہیں یہ بالکل بے اصل بات ہے علماء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں، مفصل کی سورتوں کی پہلی سورت یہی ہے۔ اس کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث ہے جو باب تحزیب القرآن میں ہے حضرت اوس بن حذیفہؓ فرماتے ہیں وفد ثقیف میں ہم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے احلاف تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ہاں ٹھیرے اور بنو مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبے میں ٹھیرایا۔ فرماتے ہیں ہر رات عشاء کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آتے اور کھڑے کھڑے ہمیں اپنی باتیں سناتے یہاں تک کہ آپ کو دیر لگ جانیکی وجہ سے قدموں کو بدلنے کی ضرورت پڑتی کبھی اس قدم کھڑے ہوتے کبھی اس قدم پر عموماً آپ ہم سے وہ واقعات بیان کرتے جو آپ کو اپنی قوم قریش سے سہنے پڑے تھے پھر فرماتے کوئی حرج نہیں ہم مکہ میں کمزور تھے، بے وقعت تھے، پھر ہم مدینے میں آ گئے اب ہم میں ان میں لڑائی مثل ڈولوں کے ہے کبھی ہم ان پر غالب کبھی وہ۔ غرض ہر رات یہ لطف صحبت رہا کرتا تھا، ایک رات کو وقت ہو چکا اور آپ نہ آئے۔ بہت دیر کے بعد تشریف لائے ہم نے کہا حضور آج تو آپ کو بہت دیر لگ گئی۔ آپ نے فرمایا ہاں قرآن شریف کا جو حصہ میں روزانہ پڑھا کرتا تھا آج اس وقت اسے پڑھا اور ادھورا چھوڑ کر آنے کو جی نہ چاہا[1]۔ حضرت اوسؓ فرماتے ہیں میں نے صحابہ سے پوچھا کہ تم قرآن کے حصے کس طرح کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل، پھر پانچ سورتوں کی ایک منزل، پھر سات سورتوں کی ایک منزل، پھر نو سورتوں کی ایک منزل، پھر گیارہ سورتوں کی ایک منزل، پھر تیرہ سورتوں کی ایک منزل اور مفصل کی سورتوں کی ایک منزل، یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے، پس پہلی چھ منزلوں کی کل اڑتالیس سورتیں ہوئیں، پھر ان کے بعد مفصل کی تمام سورتوں کی ایک منزل تو انچاسویں سورت یہی سورۂ ق پڑتی ہے۔ باقاعدہ گنتی سنئے پہلی منزل کی تین سورتیں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء ہوئیں۔ دوسری منزل کی پانچ سورتیں مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور براءت ہوئیں، تیسری منزل کی سات سورتیں یونس، ہود، یوسف، رعد

(بقیہ صفحہ ۹۳) راسخ نہیں رہ سکتے اور معاذ اللہ کفر اختیار کر کے جہنم حاصل کرتے ہیں، آج بھی دیکھ لیا جائے اسلام کو چھوڑنے والوں میں وہی ہوتے ہیں جنکو غربت اور افلاس نے ستا رکھا ہے، [2] منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت۔ [1] خدا جانے ابن کثیر اس حدیث سے یہ کیسے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سورۂ "ق" مفصلات میں سے ہے اس پوری حدیث میں تو سورۂ "ق" کا کہیں ذکر تک نہیں۔

ابراہیمؑ، حجرؑ اور نحلؑ ہوئیں، چوتھی منزل کی نو سورتیں سبحانؑ، کہفؑ، مریمؑ، طٰہٰؑ، انبیاءؑ، حجؑ، مومنونؑ، نورؑ اور فرقانؑ ہوئیں پانچویں منزل کی گیارہ سورتیں شعراؑ، نملؑ، قصصؑ، عنکبوتؑ، رومؑ، لقمانؑ، الم سجدہؑ، احزابؑ، سباؑ، فاطرؑ اور یٰسؑ ہوئیں چھٹی منزل کی تیرہ سورتیں باقی رہیں جو حجرات کے بعد کی سورت سے شروع ہوگی اور وہ سورۂ قٓ ہے اور یہی ہم نے کہا تھا فالحمد للہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عید کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا سورۂ قٓ اور سورۂ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ مسلم میں ہے حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دو سال تک یا ایک سال کچھ ماہ تک ایک ہی رہا میں نے سورۂ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سن سن کر یاد کرلی اس لئے کہ ہر جمعہ کے دن جب آپ لوگوں کو خطبہ سنانے کیلئے منبر پر آتے تو اس سورت کی تلاوت کرتے، الغرض بڑے بڑے مجمع کے موقع پر جیسے عید ہے جمعہ ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کی تلاوت کرتے کیونکہ اس میں ابتداء خلق کا، مرنے کے بعد جینے کا، خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا حساب کتاب کا جنت دوزخ کا، ثواب عذاب کا اور ترغیب و ترہیب کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ

ق۔ قسم ہے قرآن مجید کی بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی (کی جنس) میں سے (کہ بشر ہیں) ایک ڈرانے والا (پیغمبر) آ گیا سو کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ (ایک

هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ قَدْ عَلِمْنَا مَا

عجیب بات ہے جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونا (امکان سے) بہت ہی بعید بات ہے، ہم ان کے ان اجزا کو جانتے ہیں

تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ

جن کو مٹی (کھاتی اور) کم کرتی ہے اور ہمارے پاس (وہ) کتاب (یعنی لوح محفوظ موجود) ہے۔ بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ انکو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ کہ وہ

هُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤

ایک متزلزل حالت میں ہیں۔

قسم ہے قرآن مجید کی

قٓ وہ حروف ہجا ہے جو سورتوں کے اول میں آتے ہیں، جیسے صٓ، نٓ، الٓمٓ، حٰمٓ، طٰسٓ وغیرہ، ہم نے ان کی پوری تشریح سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر دی ہے، بعض سلف کا قول ہے کہ قاف ایک پہاڑ ہے جو تمام زمین گھیرے ہوئے ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ دراصل یہ بنی اسرائیل کی خرافات میں سے ہے جنہیں بعض لوگوں نے لے لیا۔ یہ سمجھ کر کہ ان سے روایت لینی مباح ہے گو تصدیق تکذیب نہیں کر سکتے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اور اس جیسی اور روائتیں تو بنی اسرائیل کے بد دینوں نے گھڑی ہوں گی تاکہ لوگوں پر دین کو خلط ملط کر دیں، آپ خیال کیجئے کہ اس امت میں باوجود یکہ علماء کرام اور حفاظان عظام کی بہت بڑی دیندار مخلص جماعت ہر زمانے میں موجود رہی تاہم بد دینوں نے بہت تھوڑی مدت میں موضوع احادیث تک گھڑ لیں۔ پس بنی اسرائیل جن پر مدتیں گذر چکیں جو حفظ سے عاری تھے جن میں نقادانِ فن موجود نہ تھے جو کلام خدا کو اصلیت سے ہٹا دیا کرتے تھے، جو شرابوں میں مخمور رہا کرتے تھے جو آیاتِ کو بدل ڈالا کرتے تھے، ان کا کیا ٹھیک ہے؟ پس حدیث نے جن روایات کو ان سے لینی مباح رکھی ہے یہ وہ ہیں جو کم از کم عقل و فہم میں تو آ سکیں، نہ وہ جو صریح خلاف عقل ہوں سنتے ہی ان کے باطل اور غلط ہونے کا فیصلہ عقل کر دیتی ہو اور اس کا جھوٹ ہونا اتنا واضح ہو کہ اس پر دلیل لانے کی ضرورت نہ پڑے پس مندرجہ بالا روایت بھی ایسی ہی ہے واللہ اعلم۔ افسوس کہ بہت سے سلف و خلف نے اہل کتاب سے اس قسم کی حکایتیں قرآن مجید کی تفسیر

میں ذکر کر دی ہیں۔ دراصل قرآن کریم ایسی خرافات کا کچھ محتاج نہیں، یہاں تک کہ امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں ایک عجیب و غریب اثر بہ روایت حضرت ابن عباسؓ ذکر کر دیا ہے جو از روئے سند کے ثابت نہیں اس میں ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک سمندر پیدا کیا ہے جو اس ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اس سمندر کے پیچھے ایک پہاڑ ہے جو اُسے گھیرے ہوئے ہے، اس کا نام قاف ہے، آسمان دنیا اسی پر اٹھا ہوا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کے پیچھے ایک زمین بنائی ہے جو اس زمین سے سات گنی بڑی ہے، پھر اُسکے پیچھے ایک سمندر ہے جو اُسے گھیرے ہوئے ہے، پھر اس کے پیچھے پہاڑ ہے جو اُسے گھیرے ہوئے ہے اسے بھی قاف کہتے ہیں، دوسرا آسمان اسی پر بلند کیا ہوا ہے اسی طرح سات زمینیں سات سمندر سات پہاڑ اور سات آسمان گنوائے پھر یہ آیت پڑھی وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ اس اثر کی اسناد میں انقطاع ہے علی بن ابو طلحہ جو روایت حضرت ابن عباسؓ سے کرتے ہیں اُس میں ہے کہ قٓ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں قٓ بھی مثل صٓ، نٓ، طٰسٓمٓ، الٓمّٓ وغیرہ کے حروف ہجا میں سے ہے۔ پس ان روایات سے بھی حضرت ابن عباسؓ نے وہ بات ارشاد نہیں فرمائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ کام کا فیصلہ کر دیا گیا قسم ہے اللہ کی، اور قٓ کہکر باقی جملہ چھوڑ دیا گیا کہ یہ دلیل ہے محذوف پر جیسے شاعر کہتا ہے ؎

قُلْتُ لَهَا قِفِيْ فَقَالَتْ قٓ

لیکن یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ محذوف پر دلالت کرنے والا کلام صاف ہونا چاہئے اور یہاں کونسا کلام ہے؟ جس سے اتنے بڑے جملے کے محذوف ہونے کا پتہ چلے۔ پھر اس کرم اور عظمت والے قرآن کی قسم کھائی؏ جس کے آگے سے یا پیچھے سے باطل آ نہیں سکتا جو حکمتوں اور تعریفوں والے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس قسم کا جواب کیا ہے؟ اس میں بھی کئی قول ہیں۔ امام ابن جریرؒ نے تو بعض نحویوں سے نقل کیا ہے کہ اس کا جواب قَدْ عَلِمْنَا پوری آیت تک ہے۔ لیکن یہ بھی غور طلب ہے بلکہ جواب قسم کے بعد کا مضمون کلام ہے، یعنی نبوت اور دوبارہ جی اٹھنے کا ثبوت اور تحقیق گو قسم لفظوں سے اس کو جواب نہ بتلاتی ہو، ایسا قرآن کی قسموں کے جواب میں اکثر ہے جیسے کہ سورہ صٓ کی تفسیر کے شروع میں گذر چکا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب ظاہر کیا کہ انہی میں سے ایک انسان کیسے رسول بن گیا؟ جیسے اور آیت میں ہے اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ الخ یعنی کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کیطرف اپنی وحی بھیجی کہ تو لوگوں کو ہوشیار کر دے یعنی دراصل یہ کوئی تعجب کی چیز نہ تھی۔ اللہ جسے چاہے، فرشتوں میں سے اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے اور جسے چاہے انسانوں میں سے چن لیتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے مرنے کے بعد کے جینے کو بھی تعجب کی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہمارے جسم کے اجزا جدا جدا ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں گے، اس کے بعد اسی ہیئت و ترکیب میں ہمارا دوبارہ جینا بالکل محال ہے۔ ان کے جواب میں فرمان صادر ہوا کہ زمین ان کے جسموں کو جو کھاتی ہے اُس سے بھی ہم غافل نہیں، ہمیں معلوم ہے کہ ان کے ذرے کہاں گئے اور کس حالت میں کہاں ہیں؟ ہمارے پاس کتاب ہے جو اس کی محافظ ہے ہمارا علم ہے جو اس کو شامل ہے اور ساتھ ہی کتاب میں محفوظ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی ان کے گوشت چمڑے ہڈیاں اور بال جو کچھ زمین کھاتی ہے ہمارے علم میں ہے۔ پھر پروردگار عالم ان کے اس محال سمجھنے کی اصل وجہ بیان فرماتا ہے کہ دراصل یہ حق کو جھٹلانے والے لوگ ہیں اور جو لوگ اپنے پاس حق کے آ جانے کے بعد اس کا انکار کر دیں اُن سے قدرتی طور پر سمجھ چھن جاتی ہے مریج کے معنے ہیں مختلف مضطرب منکر اور خلط ملط کے، جیسے فرمان ہے اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝ یعنی یقیناً تم ایک جھگڑے کی بات میں پڑے ہوئے ہو۔ قرآن کی پیروی سے وہی رکتا ہے جو بھلائی سے پھیر دیا گیا ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶ وَالْاَرْضَ

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا (اونچا اور بڑا) بنایا اور (ستاروں سے) اسکو آراستہ کیا۔ اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں

؏ قرآن مجید کی اس موقع پر قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن اپنے مضامین، حقائق اور واقعات و قصص عبرت و موعظت، جامعیت اور معنویت کے اعتبار سے اپنی صداقت پر خود ہی گواہ ہے۔

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً وَّ

اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اسمیں پہاڑوں کو جمایا اور اسمیں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی

ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ

اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کیلئے اور ہم نے آسمان سے برکت (یعنی نفع) والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ

الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً

اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہوتے ہیں بندوں کے رزق دینے کے لئے اور ہم نے اس بارش کے ذریعے سے مردہ

مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

زمین کو زندہ کیا (بس) اسیطرح زمین سے نکلنا ہو گا۔

ذرا غور تو کرو

یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے تھے پروردگار عالم اس سے بہت زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے اپنی قدرت کے نمونے سامنے رکھتا ہے۔ فرماتا ہے کہ آسمان کو دیکھو اس کی بناوٹ پر غور کرو اس کے روشن ستاروں کو دیکھو اور دیکھو کہ اتنے بڑے آسمان میں ایک سوراخ ایک چھید ایک شگاف ایک دراڑ نہیں، چنانچہ سورۂ تبارک میں فرمایا اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا الخ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے، تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار غور کر کر کے دیکھ تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی پھر فرمایا زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور بچھا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیئے تاکہ ہل نہ سکے کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی سے گھری ہوئی ہے اور اس میں ہر قسم کی کھیتیاں پھل سبزے اور قسم قسم کی چیزیں اگا دیں، جیسے اور جگہ ہے ہر چیز کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا تاکہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو۔ بہیج کے معنے خوش منظر خوشنما با رونق۔ پھر فرمایا آسمان و زمین اور ان کے علاوہ قدرت کے اور نشانات دانائی اور بینائی کا ذریعہ ہیں ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرنے والا خدا کی طرف رغبت کرنے والا ہو۔ پھر فرماتا ہے ہم نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر اس سے باغات بنائے اور وہ کھیتیاں بنائیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان کئے جاتے ہیں اور اونچے اونچے کھجور کے درخت اگا دیئے جو خوب میوے لاتے ہیں اور لدے رہتے ہیں یہ مخلوق کی روزیاں ہیں اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا وہ لہلانے لگی اور خشکی کے بعد تر و تازہ ہو گئی اور چٹیل میدان سرسبز ہو گئے یہ مثال ہے موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی اور ہلاکت کے بعد آباد ہونے کی یہ نشانیاں جنہیں تم روزمرہ دیکھ رہے ہو کیا تمہاری رہبری اس امر کی طرف نہیں کرتیں؟ کہ خدا مردوں کے جلانے پر قادر ہے چنانچہ اور آیت میں ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یعنی آسمان و زمین کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلا دے؟ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً الخ یعنی تو دیکھتا ہے کہ زمین بالکل خشک اور بنجر ہوتی ہے ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جس سے وہ لہلانے اور پیداوار اگانے لگتی ہے، کیا میری قدرت کی یہ نشانی یہ نہیں جتلاتی؟ کہ جس ذات نے اسے زندہ کر دیا وہ مردوں کے جلانے پر بلاشک و شبہ قادر ہے یقیناً وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ

اس سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم

لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع تکذیب کر چکے ہیں (یعنی) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید (ان پر) متحقق ہو گئی

ع ۱۵ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ⑮ ۱۵

کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے (شکوک) شبہ میں ہیں۔

قوم نوح

اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو اُن عذابوں سے ڈرا رہا ہے جو ان جیسے جھٹلانے والوں پر ان سے پہلے آچکے ہیں۔ جیسے کہ نوح کی قوم جنہیں اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کر دیا اور اصحاب رس جن کا پورا قصہ سورۂ فرقان کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور ثمود اور عاد اور امت لوط جسے زمین میں دھنسا دیا اور اس زمین کو سڑا ہوا دلدل بنا دیا۔ یہ سب کیا تھا؟ ان کے کفر، ان کی سرکشی اور مخالفتِ حق کا نتیجہ۔ اصحاب ایکہ سے مراد قوم شعیب ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قوم تبع سے مراد یمانی ہیں، سورۂ دخان میں ان کا واقعہ بھی گذر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں، ان تمام اُمتوں نے اپنے رسول کی تکذیب کی تھی اور عذابِ خدا سے ہلاک کر دیئے گئے۔ یہی عادت اللہ جاری ہے۔ یہ یاد رہے کہ ایک رسول کا جھٹلانے والا تمام رسولوں کا منکر ہے جیسے اللہ جل و علا کا فرمان ہے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ قوم نوح نے رسولوں کا انکار کیا حالانکہ اُن کے بارے صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی آئے تھے پس دراصل یہ تھے ایسے کہ اگر ان کے پاس تمام رسول آجاتے تو یہ سب کو جھٹلاتے ایک کو بھی نہ مانتے سب کی تکذیب کرتے ایک کی بھی تصدیق نہ کرتے۔ ان سب پر خدا کے عذاب کا وعدہ ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے ثابت ہو گیا۔ اور صادق آگیا پس اہل مکہ اور دیگر مخاطب لوگوں کو بھی اس بدخصلت سے پرہیز کرنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب کا کوڑا ان پر بھی برس پڑے، کیا جب یہ کچھ نہ تھے ان کا رچا دینا ہم پر بھاری پڑا؟ جو یہ اب دوبارہ پیدا کرنے کے منکر ہو رہے ہیں ابتداء سے تو اعادہ بہت ہی آسان ہوا کرتا ہے جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ یعنی ابتداءً اسی نے پیدا کیا اور دوبارہ بھی وہی اعادہ کرے گا۔ اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں فرمانِ خداوندی جل جلالہٗ گذر چکا کہ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا الخ یعنی اپنی پیدائش کو بھول کر ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگا اور کہنے لگا ان بوسیدہ سڑی گلی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ تو جواب دے کہ وہ جس نے انہیں اول بار پیدا کیا اور جو تمام خلق کو جانتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے بنی آدم ایذاء[عہ] دیتا ہے کہتا ہے خدا مجھے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا، حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے کچھ آسان نہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اسقدر قریب ہیں

مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ① إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ② مَّا

کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ جب دو اخذ کرنے والے فرشتے اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں طرف بیٹھے رہتے ہیں وہ

يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ③ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ

کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔ اور موت کی سختی (قریب) آپہنچی یہ (موت)

مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ④ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ⑤ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ

وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا اور (قیامت کے دن دوبارہ) صور پھونکا جائے گا یہی دن ہوگا وعید کا اور ہر شخص اس طرح (میدان

مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ⑥ لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ

قیامت میں) آوے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہنکانے والا (لاویگا) اور ایک (ساتھ اعمال کا) گواہ ہوگا تو اس دن سے بے خبر تھا سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت کا) ہٹا دیا

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ⑦

سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔

عہ ایذا کا مطلب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کو معاذ اللہ کوئی اس طرح تکلیف پہونچا تا ہے جیسا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہ، (دیکھو صفحہ ۹۹ پر)

شہ رگ سے بھی زیادہ قریب

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ وہی انسان کا خالق ہے اور اس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے یہاں تک کہ انسان کے دل میں جو بھلے برے خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں بھی وہ جانتا ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل میں جو خیالات آئیں ان سے درگذر فرمالیا ہے جب تک کہ وہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ کریں اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں، یعنی ہمارے فرشتے اور بعضوں نے کہا ہے ہمارا علم ہے، انکی غرض یہ ہے کہ کہیں حلول اور اتحاد نہ لازم آجائے جو بالاجماع اس رب کی مقدس ذات سے بعید ہے اور وہ اس سے بالکل پاک ہے، لیکن لفظ کا اقتضا نہیں ہے اس لئے کہ دانا نہیں کہا بلکہ دشمن کہا ہے یعنی میں نے نہیں کہا بلکہ ہم نے کہا ہے۔ یہی لفظ اس شخص کے بارے میں کہے گئے ہیں جس کی موت قریب آگئی ہو اور وہ نزع کے عالم میں ہو، فرمان ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ الخ یعنی ہم تم سب سے زیادہ اس سے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے، یہاں بھی مراد فرشتوں کا اسقدر قریب ہونا ہے جیسے فرمان ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ یعنی ہم نے ذکر کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ فرشتے ہی ذکر قرآن کریم کو لیکر نازل ہوئے ہیں اور یہاں بھی مراد فرشتوں کی اتنی نزدیکی ہے جس پر اللہ نے انہیں قدرت بخش رکھی ہے۔ پس انسان پر ایک چوکا فرشتے کا ہوتا ہے اور ایک شیطان کا۔ اسی طرح شیطان بھی جسم انسان میں اسی طرح پھرتا ہے جس طرح خون۔ جیسے کہ سچے پیغمبر یعنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس لئے اسکے بعد ہی فرمایا کہ دو فرشتے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں۔ ابن آدم کے منہ سے جو کلمہ نکلتا ہے اسے محفوظ رکھنے والے اور اسے نہ چھوڑنے والے اور فوراً لکھ لینے والے فرشتے مقرر ہیں جیسے فرمان ہے۔ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ الخ تم پر محافظ ہیں بزرگ فرشتے جو تمہارے فعل سے باخبر ہیں اور لکھنے والے ہیں۔ حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ تو فرماتے ہیں یہ فرشتے ہر نیک و بد عمل لکھ لیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کے دو قول ہیں ایک تو یہی ہے دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ ثواب عذاب آپ کا لکھ لیا کرتے ہیں لیکن آیت کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی ہی تائید کرتے ہیں کیونکہ فرمان ہے جو لفظ نکلتا ہے اس کے پاس محافظ تیار ہیں۔ مسند احمد میں ہے انسان ایک کلمہ اللہ کی رضامندی کا کہہ گذرتا ہے جسے وہ کوئی بہت بڑا اجر کا کلمہ نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اسکی وجہ سے اپنی رضامندی اس کے لئے قیامت تک لکھ دیتا ہے اور کوئی کلمہ برائی کا ناراضگی خدا کا اسی طرح بے پرواہی سے کہہ گذرتا ہے جس کی وجہ سے خدا اپنی ناراضی اس پر اپنی ملاقات کے دن تک کی لکھ دیتا ہے۔ حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں اس حدیث نے مجھے بہت سی باتوں سے بچالیا۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔ احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں دائیں طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور یہ بائیں طرف والے پر امین ہے جب بندے سے کوئی خطا ہو جاتی ہے تو یہ کہتا ہے ٹھیر جا اگر اس نے اسی وقت توبہ کرلی تو اسے لکھنے نہیں دیتا اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ لکھ لیتا ہے (ابن ابی حاتم) امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تلاوت کرکے فرماتے تھے اے ابن آدم تیرے لئے صحیفہ کھول دیا گیا ہے اور دو معزز فرشتے تجھ پر مقرر کر دیئے گئے ہیں ایک تیرے داہنے دوسرا بائیں۔ دائیں طرف والا تو تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور بائیں طرف والا برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے اب تو جو چاہے عمل کر کمی کر یا زیادتی کر جب تو مرے گا تو یہ دفتر لپیٹ دیا جائے گا اور تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن جب تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو یہ تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝ الخ ہر انسان کی شامت اعمال ہم نے اس کے گلے لگا دی ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے سامنے نامۂ اعمال کی ایک کتاب ڈالدیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ پھر اس سے کہیں گے کہ اپنی کتاب پڑھ لے، آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے پھر حضرت حسنؒ نے فرمایا خدا کی قسم اسنے بڑا ہی عدل کیا جس نے خود تجھے ہی تیرا محاسب بنا دیا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو کچھ تو بھلا برا کلمہ زبان سے نکالتا ہے وہ سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸) یہ طریقہ تکلیف تو جناب باری عز اسمہ کی بات میں قطعاً محال ہے، بس مطلب یہ ہے کہ ایسی بات کرتا ہے جو اس کے لئے لائق نہیں۔ ۵۔ یعنی برے خیالات پر گرفت مواخذہ نہیں کہ دل میں برے خیالات کا خطور ہی نہ ہو یہ ممکن نہیں، اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں چیزوں پر مواخذہ اور محاسبہ فرماتے ہیں جو انسان کے بس میں ہو۔ ۶۔ طبعی حاجات، مثلاً پیشاب، پاخانہ، جامعت وغیرہ وہ افعال جن سے فرشتے عموماً نفرت و کراہت کرتے ہیں اور انسان سے جدا ہونے ہیں اس عدم موجودگی کے وقت میں انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے نقش خاص قسم کے انسان کے جسم پر پڑ جاتے ہیں جنکو دیکھکر فرشتے سب کچھ سمجھ جاتے اور لکھ لیتے ہیں

لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ تیرا یہ کہنا بھی کہ میں نے کھایا میں نے پیا میں گیا میں آیا میں نے دیکھا۔ پھر جمعرات والے دن اسکے اقوال و افعال پیش کئے جاتے ہیں خیر و شر باقی رکھ لی جاتی ہے اور سب کچھ ہٹا دیا جاتا ہے۔ یہی معنے ہیں فرمانِ باری تعالےٰ شانہ کے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بابت منقول ہے کہ آپ اپنے مرض الموت میں کراہ رہے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ فرشتے اسے بھی لکھتے ہیں چنانچہ آپ نے کراہنا بھی چھوڑ دیا اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے، اپنی موت کے وقت اُف بھی نہ کی۔ پھر فرماتا ہے اے انسان موت کی بیہوشی یقیناً آئیگی اسوقت وہ شک دور ہو جائیگا جسمیں تو آجکل تو مبتلا ہے۔ اسوقت تجھ سے کہا جائیگا کہ یہی ہے جس سے تو بھاگتا ہے تھا اب وہ آگئی تو کسی طرح اس سے نجات نہیں پا سکتا نہ بچ سکتا ہے نہ اسے روک سکتا ہے نہ اسے دفع کر سکتا ہے نہ ٹال سکتا ہے نہ مقابلہ کر سکتا ہے نہ کسی کی مدد و سفارش کچھ کام آسکتی ہے صحیح یہی ہے کہ یہاں خطاب مطلق انسان سے ہے گو بعضوں نے کہا ہے کافر سے ہے اور بعضوں نے کچھ اور بھی کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں آپ کے سرہانے بیٹھی تھی۔ آپ پر غشی طاری ہوئی تو میں نے یہ بیت پڑھی ؎

مَنْ لَّا يَزَالُ دَمْعُهٗ مُقَنَّعًا ✤ فَاِنَّهٗ لَابُدَّ مَرَّةً مَّدْفُوْقٌ

مطلب یہ ہے کہ جسکے آنسو ٹھیرے ہوئے ہیں وہ بھی ایک مرتبہ ٹپک پڑیں گے۔ تو آپ نے اپنا سر اٹھا کر کہا پیاری بچی یوں نہیں بلکہ جس طرح خدا نے فرمایا وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ الخ اور روایت میں بیت کا پڑھنا اور صدیق اکبر کا یہ فرمانا مروی ہے کہ یوں نہیں بلکہ یہ آیت پڑھو۔ اس اثر کے اور بھی بہت سے طریق ہیں جنہیں میں نے سیرۃ الصدیق میں آپکی وفات کے بیان میں جمع کر دیا ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ حضور پر جب موت کی غشی طاری ہونے لگی تو آپ اپنی چہرہ مبارک سے پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے سبحان اللہ موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ اس آیت کے پچھلے جملے کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے ایک تو یہ کہ مَا موصولہ ہے یعنی یہ وہی ہے جسے تو بعید جانتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں مَا نافیہ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ وہ چیز ہے جس کے جدا کرنے کی جس سے بچنے کی تجھے قدرت نہیں تو اس سے ہٹ نہیں سکتا۔ معجم کبیر طبرانی میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو موت سے بھاگتا ہے اس لومڑی جیسی ہے جس سے زمین اپنا قرضہ طلب کرنے لگی اور یہ اس سے بھاگنے لگی بھاگتے بھاگتے جب تھک گئی اور بالکل چور چور ہو گئی تو اپنے بھٹ میں جا گھسی زمین چونکہ وہاں بھی موجود تھی اسنے لومڑی سے کہا لا میرا قرض تو یہ وہاں سے پھر بھاگی سانس پھولا ہوا تھا حال برا ہو رہا تھا آخر یونہی بھاگتے بھاگتے بے دم ہو کر مر گئی۔ الغرض جس طرح اس لومڑی کو زمین سے بھاگنے کی راہیں بند تھیں اسی طرح انسان کو موت سے بچنے کے راستے بند ہیں اس کے بعد صور پھونکے جانے کا ذکر ہے جس کی پوری تفسیر والی حدیث گذر چکی ہے اور حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں میں کس طرح راحت و آرام حاصل کر سکتا ہوں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں لے لیا ہے اور گردن جھکائے حکم خداوندی کا انتظار کر رہا ہے کہ کب حکم ملے اور کب وہ پھونک دے۔ صحابہ نے کہا پھر یا رسول اللہ ہم کیا کہیں آپ نے فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پھر فرماتا ہے ہر شخص کے ساتھ ایک تو میدان محشر کی طرف لانے والا ہوگا اور ایک فرشتہ اس کے اعمال کی گواہی دینے والا ہوگا۔ ظاہر آیت یہی ہے اور امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت منبر پر کی اور فرمایا ایک چلانے والا جس کے ہمراہ یہ میدان محشر میں آئیگا اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے اعمال کی شہادت دیگا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں سائق سے مراد فرشتہ ہے اور شہید سے مراد عمل ہے۔ ابن عباس کا قول ہے سائق فرشتوں میں سے ہوں گے اور شہید سے مراد خود انسان ہے جو اپنے اوپر آپ گواہی دیگا۔ پھر اسکے بعد کی آیت میں جو خطاب ہے اسکی نسبت تین قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ خطاب کافر سے ہوگا، دوسرا یہ کہ اس سے مراد عام انسان ہیں نیک بد سب تیسرا یہ کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرے قول کی توجیہ یہ ہے کہ آخرت اور دنیا میں وہی نسبت ہے جو بیداری اور خواب میں ہے اور تیسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ تو اس قرآن کی وحی سے پہلے غفلت میں تھا، ہم نے یہ قرآن نازل فرما کر تیری آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا اور تیری نظر قوی ہو گئی، لیکن الفاظ قرآنی سے تو ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد عام ہے یعنی ہر شخص سے کہا جائیگا کہ تو اس دن سے غافل تھا اسلئے کہ قیامت کے دن ہر شخص کی آنکھیں خوب کھل جائینگی یہانتک کہ کافر بھی استقامت پر ہو جائے گا لیکن یہ استقامت اُسے

؎ مطلب یہ ہے کہ چھوٹی بڑی کلیات جزئیات سبھی کچھ لکھ لیا جاتا ہے ؏ یہ مقام صبر و رضا ہے خاصان خدا کو حاصل ہے،

نفع نہ دے گی جیسے فرمان باری ہے اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا یعنی جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے خوب دیکھتے سنتے ہوں گے۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ الخ یعنی کاش کہ تو دیکھتا جب گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں جھکے ہونگے اور کہہ رہے ہونگے خدایا ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کرینگے اور کامل یقین رکھیں گے ۔

وَقَالَ قَرِیْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ ۝۸ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیْدٍ ۝۹ مَّنَّاعٍ

اور (اسکے بعد) فرشتہ جو اسکے ساتھ رہتا تھا عرض کریگا کہ یہ وہ (روزنامچہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے۔ ایسے شخص کو جہنم میں ڈالدو جو کفر کرنیوالا ہو اور (حق سے) ضد رکھتا ہو اور نیک کام سے روکتا ہو

لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبِ ۝۱۰ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ۝۱۱

اور حد (عبدیت) سے باہر ہو جانیوالا۔ اور (دین میں) شبہ پیدا کرنیوالا ہو جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈالدو۔ وہ شیطان

قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَیْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝۱۲ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ

جو اسکے ساتھ رہتا تھا کہیگا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اسکو (جبراً) گمراہ نہیں کیا تھا لیکن یہ خود دور دراز کی گمراہی میں تھا۔ ارشاد ہو گا کہ میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو

قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ۝ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝۱۳

دوسرے میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا میرے ہاں (وہ) بات (وعید مذکور کی) نہیں بدلی جاوے گی اور میں (اس تجویز میں) بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ہوں

فرشتوں کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جو فرشتہ ابن آدم کے اعمال پر مقرر ہے وہ اس کے اعمال کی شہادت دیگا اور کہیگا کہ یہ ہے میرے پاس تیار حاضر بلا کم و کاست۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس فرشتے کا کلام ہوگا جسے سائق کہا گیا ہے جو اسے محشر میں لے آیا تھا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ یہ شامل ہے اس فرشتے کو بھی اور گواہی دینے والے فرشتے کو بھی۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے عدل و انصاف سے کرے گا۔ اَلْقِیَا تثنیہ کا صیغہ ہے بعض نحوی کہتے ہیں کہ بعض عرب واحد کو تثنیہ کر دیا کرتے ہیں جیسے کہ حجاج کا مقولہ مشہور ہے کہ وہ اپنی جلاد سے کہتا تھا اِضْرِبَا عُنُقَهٗ تم دونوں اسکی گردن مار دو حالانکہ جلاد ایک ہی ہوتا تھا۔ ابن جریر نے اسکی شہادت میں عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دراصل یہ نون تاکید ہے جس کی تسہیل الف کی طرف کر لی ہے لیکن یہ بعید ہے اس لئے کہ ایسا تو وقف کی حالت میں ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اوپر والے دونوں فرشتوں سے ہوگا، لانے والے فرشتے نے اسے حساب کیلئے پیش کیا اور گواہی دینے والے نے گواہی دے دی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو حکم دے گا کہ اسے جہنم کی آگ میں ڈالدو جو بد ترین جگہ ہے، اللہ ہمیں محفوظ رکھے، پھر فرماتا ہے کہ ہر کافر اور ہر حق کے مخالف اور ہر حق کے نہ ادا کرنے والے اور ہر نیکی صلہ رحمی اور بھلائی سے خالی رہنے والے اور ہر حد سے گذر جانے والے خواہ وہ مال کے خرچ کرنے میں اسراف کرتا ہو خواہ بولنے اور چلنے پھرنے میں خدائی احکام کی پرواہ نہ کرتا ہو اور ہر شک کرنے والے اور ہر خدا کے ساتھ شریک کرنے والے کے لئے یہی حکم ہے کہ اسے پکڑ کر سخت عذاب میں ڈال دو۔ پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ جہنم قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اپنی گردن نکالے گی اور با آواز بلند پکار کر کہے گی جسے تمام محشر کا مجمع سنے گا کہ میں تین قسم کے لوگوں پر مقرر کی گئی ہوں، ہر سرکش حق کے مخالف کے لئے ہر مشرک کے لئے اور ہر تصویر بنانے والے کے لئے، پھر وہ ان سب سے لپٹ جائیگی۔ مسند کی حدیث میں تیسری قسم کے لوگ وہ بتلائے ہیں جو ظالمانہ قتل کرنے والے ہوں۔ پھر فرمایا اس کا ساتھی کہے گا اس سے مراد شیطان ہے جو اس کے ساتھ موکل تھا یہ اس کافر کو دیکھ کر اپنی برأت کریگا اور کہیگا کہ میں نے اسے نہیں بہکایا بلکہ یہ تو خود گمراہ تھا باطل کو از خود قبول کر لیتا تھا حق کا اپنے آپ مخالف تھا جیسے دوسری آیت میں ہے کہ شیطان جب دیکھے گا کہ کام ختم ہو تو کہے گا اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی میرا کوئی زور تو تم پر تھا ہی نہیں میں نے تم سے کہا تم نے فوراً مان لیا اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود اپنی ملامت کرو، نہ میں تمہیں کام دے سکوں نہ تم میرے کام آسکو تم جو مجھے شریک بنا رہے ہو میں تو پہلے ہی سے اس کا منکر تھا ظالموں کے لئے المناک عذاب ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ انسان سے اور اس کے ساتھی شیطان سے فرمائے گا کہ میرے

سامنے نہ جھگڑو کیونکہ انسان کہہ رہا ہوگا کہ خدایا اس نے مجھے جبکہ میرے پاس نصیحت آچکی گمراہ کر دیا۔ اور شیطان کہے گا خدایا میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تو اللہ انہیں اس تو تو میں میں سے روک دیگا اور فرمائے گا میں تو اپنی حجت ختم کر چکا رسولوں کی زبانی یہ سب میں تمہیں سنا چکا تھا کتابیں بھیج دی تھیں اور ہر ہر طریقے سے اور ہر طرح سے تمہیں سمجھا بجھا دیا تھا۔ سنو جو فیصلہ کرنا ہے وہ میں کر چکا میری باتیں بدلتی نہیں میں ظالم[عہ] نہیں جو دوسرے کے گناہ پر کسی کو پکڑوں۔ ہر شخص پر اتمام حجت ہو چکی اور ہر شخص اپنے گناہوں کا آپ ذمہ دار ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝١ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

جس دن کہ ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے اور جنت متقیوں کے قریب لائی جاوے گی

غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝٢ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ

کہ کچھ دور نہ رہے گی۔ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو رجوع ہونیوالا پابندی کرنیوالا ہو جو شخص خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہو اور رجوع

بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝٤ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝٥ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝

ہونیوالا دل لیکر آوے گا۔ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا۔ ان کو بہشت میں سب کچھ ملے گا جو چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ نعمت ہے

جہنم سے خطاب

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا جہنم سے وعدہ ہے کہ وہ اُسے پُر کر دیگا اس لئے قیامت کے دن جو جنات اور انسان اسکے قابل ہونگے انہیں اس میں ڈالا جائیگا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ دریافت فرمائیگا کہ اب تو تو پُر ہو گئی؟ اور یہ کہے گی کہ اگر کچھ اور گنہگار باقی ہوں تو انہیں بھی مجھ میں ڈال دو۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں گنہگار ڈالے جائینگے اور وہ برابر طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اسمیں رکھے گا تب وہ کہے گی بس بس۔ مسند احمد کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ سمٹ جائیگی اور کہے گی تیری عزت و کرم کی قسم بس بس اور جنت میں جگہ بچ جائیگی یہاں تک کہ ایک نئی مخلوق کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اُس جگہ کو آباد کریگا صحیح بخاری میں ہے جنت اور دوزخ میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی جہنم نے کہا کہ میں ہر متکبر اور ہر متجبر کیلئے مقرر کی گئی ہوں اور جنت نے کہا میرا یہ حال ہے کہ مجھ میں کمزور لوگ اور وہ لوگ جو دنیا میں ذی عزت نہ سمجھے جاتے تھے وہ داخل ہوں گے۔ اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہونگا اس رحمت کیساتھ نوازوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ساتھ جسے میں چاہونگا عذاب کروں گا۔ ہاں تم دونوں بالکل بھر جاؤ گی تو جہنم تو نہ بھرے گی یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اُس میں رکھے گا اب وہ کہے گی بس بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائیگی اور اس کے سب جوڑ آپس میں سمٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت میں جو جگہ بچ رہے گی اس کے بھرنے کیلئے اللہ عزوجل اور مخلوق پیدا کرے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں جہنم کا قول یہ ہے کہ مجھ میں جبر کرنیوالے تکبر کرنیوالے پادشاہ اور شریف لوگ داخل ہونگے اور مسند ابویعلی میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ذات کو قیامت کے دن پہچنوائے گا میں سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا، پھر میں خدائے تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کرونگا کہ اس سے وہ خوش ہو جائیگا، پھر مجھے شفاعت کی اجازت دیجائیگی، پھر میری امت جہنم کے اُوپر پل سے گذرنے لگے گی بعض تو نگاہ کی سی تیزی کیساتھ گذر جائیں گے بعض تیر کی طرح پار ہو جائیں گے، بعض تیز گھوڑوں سے زیادہ تیزی سے پار ہو جائیں گے یہانتک کہ ایک شخص گھٹنوں کے بل چلتا ہوا نکل جائیگا اور یہ مطابق اعمال کے ہوگا اور جہنم زیادتی طلب کر رہی ہو گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس یہ سمٹ جائیگی اور کہے گی بس بس اور میں حوض پر ہوں گا۔ لوگوں نے کہا حوض کیا؟ فرمایا خدا کی قسم اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر برتن آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں جسے

[عہ] اس موقع پر خدا نے ظلّام استعمال کیا ہے جو ظالم کا مبالغہ ہے مطلب معاذ اللہ اسکا یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ بہت بڑا ظالم نہیں ہاں چھوٹا ظالم ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ یہی ہے کہ ہم قطعاً ظالم نہیں عربی اسلوب کے اعتبار سے مبالغہ کا صیغہ کبھی کبھی مطلق معنے کی بھی نفی کرتا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے [عہ] حدیث کے ایسا پر مضمون مطلب ہے حقیقت حال خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے [عہ] یعنی تمام تفصیلات و حقائق کے ادراک کیساتھ ورنہ خدا تعالیٰ کی ذات کا اجمالی علم تو آپ کو یقیناً تھا۔

اس کا پانی مل گیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا، اسے کہیں پانی نہیں ملیگا جو سیراب ہو سکے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ کہتے گی کیا مجھ میں کوئی مکان ہے کہ مجھ میں زیادتی کیجائے؟ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں ایک کے بھی آنیکی جگہ ہے؟ میں بھر گئی، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اسمیں جہنمی ڈالے جائینگے یہانتک کہ وہ کہے گی میں بھر گئی اور کہے گی کیا مجھ میں زیادتی کی گنجائش ہے؟ امام ابن جریرؒ پہلے قول کو ہی اختیار کرتے ہیں، اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ گویا ان بزرگوں کے نزدیک یہ سوال اسکے بعد ہوگا کہ خدائے تعالےٰ اپنا قدم اس میں رکھدے اب جو اس سے پوچھے گا کہ کیا تو بھر گئی تو وہ جواب دیگی کہ کیا مجھ میں کہیں بھی کوئی جگہ باقی رہی ہے جسمیں کوئی آسکے؟ یعنی باقی نہیں رہی پُر ہو گئی۔ حضرت عوفیؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ اسوقت ہوگا جب کہ اسمیں سوئی کے ناکے کے برابر بھی جگہ باقی نہ رہے گی۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے جنت قریب کی جائیگی یعنی قیامت کے دن جو دور نہیں ہے اس لئے کہ جس کا آنا یقینی ہو وہ دور نہیں سمجھا جاتا۔ اَوَّاب کے معنی رجوع کرنیوالا توبہ کرنے والا، گناہوں سے الگ جانیوالا۔ حَفِیظ کے معنی وعدوں کا پابند۔ حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں اَوَّاب وحفیظ وہ ہے جو کسی مجلس میں بیٹھ کر نہ اٹھے جبتک کہ استغفار نہ کرے، جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا ہے یعنی تنہائی میں بھی خوف خدا رکھے۔ حدیث میں ہے وہ بھی قیامت کے دن عرش خدا کا سایہ پائے گا جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے، اور اس کی آنکھیں بہ نکلیں اور قیامت کے دن اللہ کے پاس دل سلامت لیکر جائے جو اس کی جانب جھکنے والا ہو۔ اس میں یعنی جنت میں چلے جاؤ خدا کے تمام عذابوں سے تمہیں سلامتی مل گئی اور یہ بھی مطلب ہے کہ فرشتے اُن پر سلام کریں گے یہ خُلُود کا دن ہے یعنی جنت میں ہمیشہ کے لئے جا رہے ہو جہاں کبھی موت نہیں جہاں سے کبھی نکالدیئے جانے کا خطرہ نہیں، جہاں سے تبدیلی اور ہیر پھیر نہیں۔ پھر فرمایا یہ وہاں جو چاہیں گے پائیں گے، بلکہ اور زیادہ بھی کثیر بن مرہؒ فرماتے ہیں مزید میں یہ بھی ہے کہ اہل جنت کے پاس سے ایک بادل گذریگا جسمیں سے ندا آئیگی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں، پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے برسے گا۔ حضرت کثیر فرماتے ہیں میں اس مرتبہ میں پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان کنواریاں برسائی جائیں عہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں تمہارا جی جس پرند کے کھانیکو چاہے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا موجود ہو جائے گا۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جنتی اولاد چاہے گا تو ایک ہی ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوانی ہو جائے گی امام ترمذیؒ اسے غریب حسن بتلاتے ہیں اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا ہو جائیگا اور آیت میں ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ صہیب بن سنان رومیؒ فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کی زیارت ہے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالےٰ ہوگا یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند شافعی میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لیکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جس کے وسط میں ایک نکتہ تھا حضورؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا ہے، سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں یہود بھی اور نصاریٰ بھی تمہارے لئے اس میں بہت کچھ خیر و برکت ہے اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اسوقت اللہ تعالےٰ سے جو مانگا جائے مل جاتا ہے ہمارے ہاں اس کا نام یَوْمُ الْمَزِيْد ہے، حضورؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ میدان بنایا ہے جسمیں مشکی ٹیلے ہیں، جمعہ کے دن اللہ تعالےٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اتارتا ہے اس کے ارد گرد نوری منبر ہوتے ہیں جن پر انبیا علیہم السلام رونق افروز ہوتے ہیں شہدا اور صدیق لوگ ان کے پیچھے اُن مشکی ٹیلوں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل فرمائیگا میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا اب مجھ سے جو چاہو مانگو پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور رضامندی مطلوب ہے اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا میں تم سے راضی ہو گیا۔ اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے۔ اور میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کے خواہش مند رہیں گے کیونکہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں، یہی دن ہے جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئیگی۔ اسی طرح حضرت امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام کی کتاب الجمعہ میں بھی ذکر کیا ہے، امام ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ایک بہت بڑا اثر نقل کیا ہے جس میں

عہ اور کیا مضائقہ ہے اس تمنا میں، عورت کیجانب تو مرد کو فطرتاً التفات ہے، ہاں بس اتنا ضرور ہے کہ یہ خواہش جائز حدود میں ہو۔ اس سلسلہ میں حدود شکنی نہونی چاہیئے۔

بہت سی باتیں غریب ہیں، مسند احمد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں جنتی ستر سال تک ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا پھر ایک حور آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھکر اسے اپنی طرف متوجہ کرے گی وہ اتنی خوبصورت ہوگی کہ اس کے رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آبدار آئینے میں وہ زیورات پہنے ہوئے ہوگی اُن میں کا ایک ایک ادنیٰ موتی ایسا ہوگا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے، وہ سلام کریگی یہ جواب دے کر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں ہوں جسے قرآن میں مزید کہا گیا تھا۔ اس پر ستر حُلے ہونگے لیکن تاہم اس کی خوبصورتی اور چمک دمک اور صفائی کی وجہ سے باہر ہی سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا، اس کے سر پر جڑاؤ تاج ہوگا جس کا ادنیٰ موتی مشرق مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ ؕ

اور ہم ان (اہل مکہ) سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے (کہیں) زیادہ تھے اور تمام شہروں کی چھانتے پھرتے تھے دیکھو جب

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝٧ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى

ہمارا عذاب نازل ہوا تو ان کو کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی۔ اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا وہ (کم از کم دل سے) متوجہ ہو کر

السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝٨ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

(بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو۔ اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان

فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝٩ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

میں ہے اس سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝١٠ وَمِنَ الَّيْلِ

کرتے رہیے (اس میں نماز بھی داخل ہے) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً صبح کی نماز) اور چھپنے سے پہلے (مثلاً ظہر و عصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح

فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝١١

کیا کیجئے (اس میں مغرب اور عشا آ گئی) اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی۔

اقوام و امم کی ہلاکت

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار تو ہیں کیا چیز؟ ان سے بہت سے زیادہ قوت و طاقت اور اسباب و تعداد کے لوگوں کو اسی جرم پر ہم تہ وبالا کر چکے ہیں جنہوں نے شہروں میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں زمین میں خوب فساد کیا تھا لمبے لمبے سفر کرتے تھے ہمارے عذاب دیکھ کر بچنے کی جگہ تلاش کرنے لگے مگر یہ کوشش بالکل بے سود تھی، خدا کی قضا و قدر اور اس کے پکڑ دھکڑ سے کون بچ سکتا تھا؟ پس تم بھی یاد رکھو کہ جس وقت میرا عذاب آ گیا بغلیں جھانکتے رہ جاؤ گے اور حواس باختہ ہو جاؤ گے۔ ہر عقلمند کے لئے اس میں کافی عبرت ہے اگر کوئی ایسا بھی ہو جو سمجھداری کے ساتھ کان لگائے وہ بھی اس میں بہت کچھ پا سکتا ہے یعنی دل کو حاضر کر کے کانوں سے سُنے پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ روز میں پیدا کر دیا اور وہ تھکا نہیں، اس میں بھی موت کے بعد کی زندگی پر خدا کے قادر ہونے کا ثبوت ہے کہ جو ایسی بڑی مخلوق اولاً پیدا کر چکا ہے اس پر مُردوں کا جلانا کیا بھاری ہے؟ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے کہ ملعون یہود کہتے تھے کہ چھ دن میں مخلوق کو رچا کر خالق نے ساتویں روز آرام کیا اور یہ دن ہفتہ کا دن تھا اس کا نام ہی انہوں نے یوم الراحت رکھ چھوڑا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واہی خیال کی تردید کی کہ ہمیں تھکن ہی نہ تھی آرام کیسا؟ جیسے اور آیت میں ہے وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ الخ یعنی کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ وہ ہے

جنے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور انکی پیدائش نہ تھکا کیا وہ مُردوں کے جِلانے پر قادر نہیں؟ ہاں کیوں نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور آیت میں لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ الخ البتہ آسمان و زمین کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا الخ کیا تمہاری پیدائش زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی اُسے خدا نے بنایا ہے. پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہ جھٹلانے اور انکار کرنے والے جو سناتے ہیں اُسے صبر کر سنتے رہو اور انہیں مہلت دو ان کو چھوڑ دو اور سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور رات کو پاکی اور تعریف کیا کرو، معراج سے پہلے صبح کی اور عصر کی نماز فرض تھی اور رات کی تہجد، آپ پر اور آپ کی امت پر ایک سال تک واجب رہی اسکے بعد آپکی امت سے اسکا وجوب منسوخ ہو گیا، اسکے بعد معراج والی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نمازیں جوں کی توں رہیں. پس سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے سے مُراد فجر کی اور عصر کی نماز ہے مسند احمد میں ہے ہم حضورؐ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اسطرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیلی نہیں[عہ] پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے سے سے پہلے کی نمازیں مغلوب نہ ہو جایا کرو، پھر آپ نے آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ پڑھی، یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے. رات کو بھی اس کی تسبیح بیان کر یعنی نماز پڑھ، جیسے فرمایا وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ الخ یعنی رات کو تہجد کی نماز پڑھا کر یہ زیادتی خاص تیرے لئے ہی ہے تجھے تیرا رب مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے. سجدوں کے پیچھے سے مُراد بقول حضرت ابن عباسؓ نماز کے بعد خدا کی پاکی بیان کرنا ہے، صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مفلس مہاجر آئے اور کہا یا رسول اللہ مالدار لوگ بلند درجے اور ہمیشگی والی نعمتیں حاصل کر چکے آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ دیتے ہیں جو ہم نہیں دے سکتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے. آپ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں کہ جب تم اُسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے لیکن جو اس عمل کو کرے، تم ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھ لیا کرو. وہ پھر آئے اور کہا یا رسول اللہ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی آپ کی اس حدیث کو سُنا اور وہ بھی اس عمل کو کرنے لگے. آپ نے فرمایا پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے. دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مُراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں. حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حسن بن علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم کا یہی فرمان ہے اور یہی قول ہے حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت شعبی، حضرت نخعی، حضرت قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کا. مسند احمد میں ہے حضورؐ ہر فرض نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے بجز فجر اور عصر کی نماز کے، عبدالرحمٰن فرماتے ہیں ہر نماز کے پیچھے. ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گذاری آپ نے فجر کے فرضوں سے پہلے دو ہلکی رکعتیں ادا کیں پھر گھر سے نماز کے لئے نکلے اور فرمایا اے ابن عباس فجر کے پہلے کی دو رکعتیں اَدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝ ہیں مغرب کے بعد کی دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہیں. یہ اسی رات کا ذکر ہے جس رات حضرت عبداللہؓ نے تہجد کی نماز کی تیرہ ۱۳ رکعتیں آپکی اقتداء میں ادا کی تھیں اور یہ رات آپ کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی لیکن اوپر جو بیان ہوا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے غریب بتلاتے ہیں، ہاں اصل حدیث تہجد کی تو بخاری مسلم میں ہے. ممکن ہے کہ آخری کلام حضرت ابن عباسؓ کا ہو، واللہ اعلم

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝۴۱ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ

اور سن رکھو کہ جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا. جس روز اس چیخ کو بالیقین سب سن لیں گے

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝۴۲ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۝۴۳ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ

یہ دن ہوگا (قبروں سے) نکلنے کا. ہم ہی (اب بھی) جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پھر لوٹ کر آنا ہے جس دن زمین ان (مُردوں)

عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝۴۴ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ

سے کھل جائے گی جبکہ وہ دوڑتے ہوں گے یہ ہمارے نزدیک ایک آسان جمع کر لینا ہے جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر [illegible]

عہ یعنی ساری دنیا دیکھتی ہے اور ایک دوسرے کے دیکھنے میں مزاحم نہیں ہوتا.

ع ۱۶ | ۱۷

بِجَبَّارٍ قف فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ع ﴿۴۵﴾

جبر کرنے والے (کرکے) نہیں (بھیجے گئے) ہیں تو آپ قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

یوم الخروج

حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دیگا کہ بیت المقدس کے پتھر پر کھڑے ہوکر آواز لگائے کہ اے سڑی گلی ہڈیو اور اے جسم کے متفرق اجزاء اللہ تمہیں جمع ہو جانے کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کردے، پس مراد اس سے صور ہے، یہ حق اس شک شبہ اور اختلاف کو مٹا دے گا جو اس سے پہلے تھا یہ قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا۔ ابتداءً پیدا کرنا پھر لوٹانا اور تمام خلق کو ایک جگہ لوٹا لانا یہ ہمارے ہی بس کی بات ہے اس وقت ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ہم دیں گے۔ تمام بھلائی برائی کا عوض ہر ہر شخص پائے گا، زمین پھٹ جائے گی اور سب جلدی جلدی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے مخلوقات کے بدن اُگنے لگیں گے جس طرح کیچڑ میں پڑا ہوا دانہ بارش سے اُگ جاتا ہے، جب جسم کی پوری نشوونما ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم دیگا، تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی ان کے صور پھونکتے ہی روحیں آسمان و زمین کے درمیان پھرنے لگ جائیں گی اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیگا میرے عزت و جلال کی قسم ہے ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے جسے اس نے دنیا میں آباد کر رکھا ہے پس ہر روح اپنے اپنے اصلی جسم میں ملے گی اور جسطرح زہریلے جانور کا اثر چوپائے کے رگ و ریشہ میں بہت جلد پہنچ جاتا ہے اسی طرح اس جسم کے رگ و ریشہ میں فوراً روح دوڑ جائے گی اور ساری مخلوق اللہ کے فرمان کے ماتحت دوڑتی ہوئی جلد از جلد میدان محشر میں حاضر ہو جائیگی، یہ وقت ہوگا جو کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا۔ فرمان باری ہے يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ الخ یعنی جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے جواب دو گے اور سمجھتے ہوگے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔ صحیح مسلم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی۔ فرماتا ہے کہ یہ دوبارہ کھڑا کرنا ہم پر بہت ہی سہل اور بالکل آسان ہے، جیسے اللہ جل جلالہ نے فرمایا وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ○ یعنی ہمارا حکم اس طرح یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا اور آیت میں ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ الخ یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور پھر مارنے کے بعد جلا دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے، پھر جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبیؐ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں تو اسے اہمیت نہ دے ہم خود نمٹ لیں گے جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ○ الخ واقعی ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں اس سے آپ تنگدل ہوتے ہیں سو اسکا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف کرتے رہئے اور نمازیوں میں رہئے اور موت آجانے تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہئے۔ پھر فرماتا ہے تو انہیں ہدایت پر جبراً نہیں لا سکتا نہ ہم نے تجھے اس کی تکلیف دی ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ ان پر جبر نہ کرو، لیکن پہلا قول بہتر ہے کیونکہ الفاظ میں یہ نہیں کہ تم ان پر جبر نہ کرو بلکہ یہ ہے کہ تم ان پر جبار نہیں ہو، یعنی آپ مبلغ ہیں تبلیغ کرکے اپنے فریضے سے سبکدوش ہو جائیے جبر معنی میں اجبر کے بھی آتا ہے۔ آپ نصیحت کرتے رہئے جس کے دل میں خوفِ خدا ہے جو اس کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمتوں کا امیدوار ہے وہ ضرور اس تبلیغ سے نفع اٹھائیگا۔ اور راہ راست پر آجائے گا، جیسے فرمایا ہے فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے اور آیت میں ہے فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ تو نصیحت کردے تو صرف نصیحت کرنے والا ہے ان پر داروغہ نہیں۔ اور جگہ ہے، تجھ پر ان کی ہدایت نہیں بلکہ خدا جسے چاہے ہدایت کرتا ہے اور جگہ ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ الخ یعنی تم جسے چاہو ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ خدا جسے چاہے راہ راست پر لا کھڑا کرتا ہے، اسی طرح مضمون کو یہاں بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت قتادہؒ اس آیت کو سنکر یہ دعا کرتے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّخَافُ وَعِيْدَكَ وَيَرْجُوْ مَوْعِدَكَ يَا بَارُّ يَا رَحِيْمُ ○ یعنی اے اللہ تو ہمیں ان میں سے کر جو تیری سزاؤں کے ڈراوے سے ڈرتے ہیں اور تیری نعمتوں کی امید لگائے ہوئے ہیں، اے بہت زیادہ احسان کرنے والے اور اے بہت زیادہ رحم کرنے والے۔ سورۂ قٓ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ۔ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○

تفسیر سورۂ ذاریات مکیّہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ (۱) فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ (۲) فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ (۳) فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ (۴)

قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں پھر ان بادلوں کو جو بوجھ (یعنی بارش) کو اٹھاتے ہیں پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو (حکم کے موافق اہل ارض میں چیزیں) تقسیم کرتے ہیں

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ (۵) وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ؕ (۶) وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ (۷)

کہ جس (قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور (اعمال کی) جزا (وسزا) ضرور ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمان کی جس میں (فرشتوں کے چلنے کے) راستے ہیں۔

اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ (۸) يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ (۹) قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ (۱۰) الَّذِيْنَ

کہ تم (یعنی سب لوگ) (قیامت کے بارے میں) مختلف گفتگو میں ہو اس سے (دہی پھرتا ہے جسکو پھرنا ہوتا ہے) غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے جو کہ جہالت

هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ (۱۱) يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ؕ (۱۲) يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ

میں بھولے ہوئے ہیں پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا جس دن وہ لوگ آگ پر رکھے

يُفْتَنُوْنَ (۱۳) ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ (۱۴)

جاویں گے (اور کہا جاویگا کہ) اپنی اس سزا کا مزا چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے۔

قسم ہے ان تمام چیزوں کی

خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفے کے منبر پر چڑھ کر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی بابت اور جس سنت رسول کی بابت تم سوال کرنا چاہتے ہو کرلو اس پر ابن الکوا نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا، پوچھا حاملات سے؟ فرمایا ابر، کہا جاریات سے؟ فرمایا کشتیاں، کہا مقسمات سے؟ فرمایا فرشتے اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے، بزار میں ہے صبیغ تمیمی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا بتلاؤ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا، اور اسے میں نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ کہتا۔ پوچھا مقسمات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا فرشتے اور اسے بھی میں نے حضور سے سن رکھا ہے۔ پوچھا جاریات سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں۔ یہ بھی اگر میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔ پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اسے درے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر سو کوڑے لگوائے اور سوار کرا کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے پائے کچھ دنوں بعد یہ حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس آئے اور قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی ہے اب میرے دل میں وہ بدعقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جناب امیر المومنین کی خدمت میں اسکی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دیدی جائے۔ امام ابوبکر بزارؒ فرماتے ہیں اس کے دو راویوں میں کلام ہے پس یہ حدیث ضعیف ہے۔ ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں امیر المومنین نے اسے جو پٹوایا تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ اس کا فساد عقیدہ آپ پر ظاہر ہو چکا تھا۔ اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے۔ واللہ علم صبیغ کے باپ کا نام عسل تھا اور اسکا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکرؒ نے ذکر کیا ہے۔ یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ

حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت حسنؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت سدیؒ وغیرہ سے منقول ہے، امام ابن جریرؒ اور امام ابن ابی حاتم نے تو ان آیتوں کی تفسیر میں اور کوئی قول ذکر ہی نہیں کیا۔ حاملات سے مراد بادل ہونے کا محاورہ اس شعر سے بھی پایا جاتا ہے ؎

وَاَسْلَمْتُ نَفْسِیْ لِمَنْ اَسْلَمَتْ ٭ لَہُ الْمُزْنُ تَحْمِلُ عَذْبًا زُلَالًا

یعنی میں اپنے تئیں اس خدا کا تابع فرمان کرتا ہوں جس کے تابع فرمان وہ بادل ہیں جو صاف شفاف میٹھے اور ہلکے پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

جاریات سے مراد بعض نے ستارے لئے ہیں جو آسمان پر چلتے پھرتے رہتے ہیں، یہ معنی لینے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کیطرف ترقی ہوگی۔ اولاً ہوا، پھر بادل پھر ستارے پھر فرشتے، جو کبھی اللہ کا حکم لے کر اترتے ہیں، کبھی کوئی سپرد کردہ کام بجا لانے کے لئے تشریف لاتے ہیں چونکہ یہ سب قسمیں اس بات پر ہیں کہ قیامت ضرور آتی ہے اور لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس لئے ان کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچا ہے، اور حساب کتاب جزا سزا ضرور واقع ہونے والی ہے، پھر آسمان کی قسم کھائی جو خوبصورتی، رونق، حسن اور برابری والا ہے، بہت سے سلف نے یہی معنی حُبُک کے بیان کئے ہیں۔

حضرت ضحاکؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں، ریت کے ذرے اور کھیتیوں کے پتے ہوا کے زور سے جب لہراتے ہیں اور پر شکن لہریے دار ہو جاتے ہیں اور گویا ان میں راستے پڑ جاتے ہیں اسی کو حُبُک کہتے ہیں، ابن جریرؒ کے ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بہکانے والا ہے اس کے سر کے بال پیچھے کیطرف سے حُبُک حُبُک ہیں یعنی گھونگر والے ہیں ابو صالح فرماتے ہیں حُبُک سے مراد شدت والا خصیف کہتے ہیں مراد خوش منظر ہے، حسن بن حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔ ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں۔ اکثر علمائے ہیئت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں آسمان میں ہیں جو ساتویں کے اوپر ہے واللہ اعلم۔ ان تمام اقوال کا ماحصل ایک ہی ہے یعنی حسن و رونق والا آسمان اس کی بلندی، اس کی صفائی اسکی پاکیزگی، اسکی بناوٹ کی عمدگی، اس کی مضبوطی اس کی چوڑائی اور کشادگی، اس کی ستاروں سے جگمگاہٹ جن میں سے بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ٹھہرے ہوئے ہیں اس کا سورج اور چاند جیسے ستاروں سے مزین ہونا یہ سب اس کی خوبصورتی اور عمدگی کی چیزیں ہیں۔ پھر فرماتا ہے اے مشرکو تم اپنے اقوال میں مختلف اور مضطرب ہو تم کسی صحیح نتیجے پر اب تک خود اپنے طور پر بھی نہیں پہنچے ہو۔ کسی رائے پر تمہارا اجتماع نہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو قرآن کو سچا جانتے۔ بعض اسکی تکذیب کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ حالت اسی کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو۔ وہ اپنے ایسے باطل اقوال کی وجہ سے بہک و بھٹک جاتا ہے صحیح سمجھ اور سچا علم اس سے فوت ہو جاتا ہے جیسے اور آیت میں ہے۔ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ یعنی تم لوگ مع اپنے معبودان باطل کے بجز جہنمی لوگوں کے اور کو بہکا نہیں سکتے، حضرت ابن عباسؓ اور سدی فرماتے ہیں اس سے گمراہ وہی ہوتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں میں دور ڈال دیا گیا ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں قرآن سے وہی ہٹتا ہے جو اسے پہلے ہی سے جھٹلانے پر کمر کس لے۔ پھر فرماتا ہے کہ بے سند باتیں کہنے والے ہلاک ہوں یعنی جھوٹی باتیں بنانیوالے جنہیں یقین نہ تھا۔ جو کہتے تھے کہ ہم اٹھائے نہیں جائینگے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یعنی شک کرنیوالے ملعون ہیں۔ حضرت معاذؓ بھی اپنے خطبے میں یہی فرماتے تھے، یہ دھوکے والے اور بدگمان لوگ ہیں۔ پھر فرمایا کہ لوگ اپنے کفر و شک میں غافل اور بے پرواہ ہیں یہ لوگ از روئے انکار پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟ اللہ فرماتا ہے اس دن تو یہ آگ میں تپائے جائیں گے جس طرح سونا تپایا جاتا ہے۔ یہ اس میں جلیں گے اور ان سے کہا جائیگا کہ جلنے کا مزہ چکھو اپنے کرتوت کے بدلے برداشت کرو۔ پھر انکی اور زیادہ حقارت کیلئے ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائیگا یہی ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے کہ کب آئے گا۔ واللہ اعلم۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ

بیشک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں رہوں گے (اور) ان کے رب نے ان کو جو ثواب اعطا کیا ہوگا وہ اسکو (خوشی خوشی) لے رہے ہونگے (اور) کیوں

مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

کہ وہ لوگ اسکے قبل (دنیا میں) نیکوکار تھے وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾

اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا　　اور یقین لانیوالوں کیلئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور خود تمہاری ذات میں بھی اور کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا　　اور تمہارا رزق اور جو تم سے (قیامت کے متعلق) وعدہ کیا جاتا ہے

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع

(ان اسباب) کا معین وقت، آسمان میں ہے تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ برحق ہے جیسا کہ تم باتیں کر رہے ہو۔

اور متقین پرہیزگار خدا ترس لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن جنتوں میں اور نہروں میں ہوں گے بخلاف اُن بدکرداروں کے جو عذاب و سزا میں طوق و زنجیر میں سختی اور مار پیٹ میں ہوں گے۔ جو فرائض خدا اُن کے پاس آئے تھے یہ اُن کے عامل تھے اور ان سے پہلے بھی وہ اخلاص کے کام کرنے والے تھے۔ لیکن اس تفسیر میں ذرا تامل ہے دو وجہ سے اول تو یہ کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباس کی کہی جاتی ہے لیکن سند صحیح سے اُن تک نہیں پہنچتی بلکہ اس کی یہ سند بالکل ضعیف ہے، دوسرے یہ کہ اٰخِذِیْنَ کا لفظ حال ہے اگلے جملے سے تو یہ مطلب ہوا کہ متقی لوگ جنت میں خدا کی دی ہوئی نعمتیں حاصل کر رہے ہوں گے اس سے پہلے وہ بھلائی کے کام کرنے والے یعنی دنیا میں جیسے اللہ تعالےٰ جل جلالہٗ نے ان آیتوں میں فرمایا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۝ یعنی دنیا میں تم نے جو نیکیاں کی تھیں ان کے بدلے اب تم یہاں شوق سے خوشگوار کھانے کھاتے پیتے رہو۔ پھر اللہ تبارک و تعالےٰ ان کے عمل کے اخلاص یعنی ان کے احسان کی تفصیل بیان فرما رہا ہے کہ یہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہاں مَا نافیہ ہے تو بقول حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہ مطلب ہوگا کہ ان پر کوئی ایسی رات نہ گزرتی تھی جس کا کچھ حصہ یادِ خدا میں نہ گذارتے ہوں۔ خواہ اول میں کچھ نوافل پڑھ لیں خواہ درمیان میں، یعنی کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی وقت نماز عموماً ہر رات پڑھ ہی لیا کرتے تھے، ساری رات سوتے سوتے نہیں گذارتے تھے۔ حضرت ابو العالیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں یہ لوگ مغرب عشا کے درمیان کچھ نوافل پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام ابو جعفر باقرؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ مَا یہاں پر موصولہ ہے: یعنی ان کی نیند رات کی کم تھی کچھ سوتے تھے کچھ جاگتے تھے اور اگر دل لگ گیا تو صبح ہو جاتی تھی اور پھر پچھلی رات کو جناب باری میں گڑ گڑا کر توبہ استغفار کرتے تھے۔ حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کر کے پھر فرماتے تھے افسوس مجھ میں یہ بات نہیں۔ آپ کے شاگرد خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے جنتیوں کے جو اعمال اور جو صفات بیان ہوئے ہیں، میں جب کبھی اپنے اعمال و صفات کو ان کے مقابلے میں رکھتا ہوں تو بہت کچھ فاصلہ پاتا ہوں لیکن الحمد للہ جنتیوں کے عقائد کے بالمقابل جب میں اپنے عقائد کو لاتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ تو بالکل ہی خیر سے خالی تھے۔ وہ کتاب اللہ کے منکر، وہ رسول اللہ کے منکر، وہ موت کے بعد زندگی کے منکر پس ہماری حالت وہی ہے جو خدائے تعالےٰ نے اس قسم کے لوگوں کی جتلائی ہے خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا یعنی نیکیاں بدیاں ملی جلی۔ حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص نے کہا اے ابو سلمہ یہ صفت تو ہم میں نہیں پائی جاتی کہ ہم رات کو بہت کم سوتے ہوں ہم تو بہت کم وقت عبادتِ خدا میں گذارتے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ شخص بھی بہت ہی خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جاگے تو اللہ سے ڈرتا رہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب شروع شروع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے میں اس مجمع میں تھا، واللہ آپ کے مبارک چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی میرے کان میں پڑی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا اے لوگو کھانا کھلاتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں نماز ادا کرو، تو تم سلامتی کیساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ

وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالاخانہ ہیں جن کے اندر کا حصّہ باہر سے اور باہر کا حصّہ اندر سے نظر آتا ہے یہ سُنکر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ یہ کن کے لئے ہے؟ فرمایا اُن کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوتے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے رہیں۔ حضرت زہری اور حضرت حسن فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کا اکثر حصّہ تہجد میں گذارتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ رات کا بہت کم حصّہ وہ سوتے ہیں، حضرت ضحاک کَانُوْا قَلِیْلًا کو اس سے پہلے کے جملے کیساتھ ملاتے ہیں اور مِنَ اللَّیْلِ سے ابتدا بتلاتے ہیں لیکن اس قول میں بہت تکلف ہے۔ پھر اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے سحر کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔ مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور مفسرین فرماتے ہیں راتوں کو قیام کرتے ہیں اور صبح ہونے کے وقت اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ یعنی سحر کے وقت یہ لوگ استغفار کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ استغفار نماز ہی میں ہو تو بھی بہت اچھا ہے صحاح ستہ وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت کی کئی روایتوں سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اس وقت اللہ تبارک وتعالےٰ ہر رات کو آسمانِ دنیا کی طرف اُترتا ہے اور فرماتا ہے کوئی گنہگار ہے؟ جو توبہ کرے اور میں اس کی توبہ قبول کروں کوئی استغفار کرنیوالا ہے؟ جو استغفار کرے اور میں اسے بخشوں، کوئی مانگنے والا ہے؟ جو مانگے اور میں اُسے دُوں۔ فجر کے طلوع ہونے تک یہی فرماتا ہے۔ اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ نبی اللہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لڑکوں سے، جو فرمایا تھا کہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ میں اب عنقریب تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ پھر ان کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں یہ نمازی ہیں اور حق اللہ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حق بھی نہیں بھولتے زکوتیں دیتے ہیں سلوک احسان اور صلۂ رحمی کرتے ہیں۔ ان کے مال میں ایک مقررہ حصّہ مانگنے والوں اور اُن حقداروں کا ہے جو سوال سے بچتے ہیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سائل کا حق ہے گو وہ گھوڑے سوار ہو مَحْرُوْم وہ ہے جس کا کوئی حصّہ بیت المال میں نہ ہو خود اس کے پاس کوئی کام کاج نہ ہو۔ صنعت وحرفت یاد نہ ہو جس سے روزی کما سکے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ کچھ سلسلہ کمانے کا کر رکھا ہے لیکن اتنا نہیں پاتے کہ انہیں کافی ہو جائے، حضرت ضحاک فرماتے ہیں وہ شخص جو مالدار تھا لیکن مال اتنا تباہ ہو گیا۔ چنانچہ یمامہ میں جب پانی کی طغیانی آئی اور ایک شخص کا تمام مال اسباب بہا لے گئی تو ایک صحابی نے فرمایا یہ محروم ہے اور بزرگ مفسرین فرماتے ہیں محروم سے مراد وہ شخص ہے جو باوجود حاجت کے کسی سے سوال نہیں کرتا ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اور جنہیں ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تم دے دیا کرتے ہو بلکہ حقیقتاً وہ لوگ بھی مسکین ہیں جو اتنا نہیں پاتے کہ انہیں حاجت نہ رہے نہ اپنا حال وقال ایسا رکھتے ہیں کہ کسی پر ان کی حاجت وافلاس ظاہر ہو اور کوئی انہیں صدقہ دے (بخاری مسلم) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مکہ شریف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا پاس آکر کھڑا ہو گیا آپ نے ذبح کردہ بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف ڈال دیا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں میں تو عاجز آگیا لیکن محروم کے معنی معلوم نہ کر سکا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ رہا ہو خواہ وجہ کچھ بھی ہو یعنی حاصل ہی نہ کر سکا ہو کھانے کمانے کا سلیقہ ہی نہ ہو یا کام ہی نہ چلتا ہو یا کسی آفت کے باعث جمع شدہ مال ضائع ہو گیا ہو۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر کافروں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا خدا نے انہیں غلبہ دیا اور مالِ غنیمت بھی ملا پھر کچھ لوگ آپ کے پاس وہ بھی آگئے جو غنیمت حاصل ہونے کے وقت موجود نہ تھے تو یہ آیت اُتری۔ اس روایت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہو لیکن دراصل ایسا نہیں بلکہ یہ آیت مکی ہے پھر فرماتا ہے یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں بھی بہت سے نشاناتِ قدرت موجود ہیں، جو خالق کی عظمت وعزت، ہیبت وجلالت پر دلالت کرتے ہیں، دیکھو کہ کس طرح اس میں حیوانات اور نباتات کو پھیلا دیا ہے اور کس طرح پہاڑوں اور میدانوں سمندروں اور دریاؤں کو رواں کیا ہے۔ پھر انسان پر نظر ڈالو ان کی زبانوں کے اختلاف کو، ان کے رنگ روپ کے اختلاف کو ان کے ارادوں اور قوتوں کے اختلاف کو ان کی عقل وفہم کے اختلاف کو، ان کی حرکات

سکنات کو ان کی نیکی بدی کو دیکھو، ان کی بناوٹ پر غور کرو کہ ہر عضو کیسی مناسب جگہ ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا۔ خود تمہارے وجود میں ہی اس کی بہت سی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں جو شخص اپنی پیدائش میں غور کرے گا، اپنے جسم کی ترکیب پر نظر ڈالے گا وہ یقین کرے گا کہ بیشک اُسے خدا نے ہی پیدا کیا ہے اور اپنی عبادت کے لئے ہی بنایا ہے۔ پھر فرماتا ہے آسمان میں تمہاری روزی ہے یعنی بارش اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی جنّت۔ حضرت واصل احدب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا افسوس میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کر رہا ہوں؟ یہ کہکر بستی چھوڑ اُجاڑ جنگل میں چلے گئے۔ تین دن تک تو انہیں کچھ بھی نہ ملا لیکن تیسرے دن دیکھتے ہیں کہ کھجوروں کا ایک خوشہ ان کے پاس رکھا ہوا ہے۔ ان کے بھائی جو ان سے بھی زیادہ مخلص اور نیک نیت تھے یہ بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ دونوں بھائی آخری دم تک اسی طرح جنگلوں میں ہی رہے۔ پھر اللہ کریم خود اپنی قسم کھاکر فرماتا ہے کہ میرے جو وعدے ہیں مثلاً قیامت کا، دوبارہ جلانے کا، جزا سزا کا، یہ یقیناً سچے اور واقع ہو کر رہنے والے ہیں۔ جیسے تمہیں تمہاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں شک نہیں ہوتا اسی طرح تمہیں ان میں بھی کوئی شک ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی بات کہتے تو فرماتے ہیں خدا انہیں برباد کرے جو خدا قسم کو بھی نہ مانیں۔ یہ حدیث مرسل ہے یعنی تابعی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، صحابی کا نام نہیں لیتے۔

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿١﴾ إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہونچی ہے (اور یہ قصہ اس وقت میں تھا) جبکہ وہ (مہمان) ان کے پاس آئے پھر ان کو

سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٢﴾ فَرَاغَ إِلٰى أَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿٣﴾

سلام کیا۔ ابراہیم نے بھی (جواب میں) کہا سلام (اور کہنے لگے کہ) انجان لوگ (معلوم ہوتے) ہیں پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا (تلا ہوا) لائے

فَقَرَّبَهٗٓ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُوْنَ ﴿٤﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ

اور اس کو ان کے پاس (یعنی سامنے لاکر) رکھا۔ کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے انہوں نے کہا کہ تم ڈرو مت

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٥﴾ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ

اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا۔ اتنے میں انکی بی بی بولتی پکارتی آئیں پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور

قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿٦﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ إِنَّهٗ هُوَ الْ

کہنے لگیں کہ (اول تو) بڑھیا (پھر) بانجھ۔ فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا

حَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٧﴾

بڑا جاننے والا ہے

مہمانان ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام

یہ واقعہ سورۂ ہود اور سورہ حجر میں بھی گزر چکا ہے۔ یہ مہمان فرشتے تھے جو بہ شکل انسان آئے تھے جنہیں خدا نے عزت و شرافت دے رکھی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب ہے، حدیث میں بھی آیا ہے اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں انہوں نے سلام کیا جس کا جواب خلیل خدا علیہ السلام نے بڑھا کر دیا۔ یہ طریقہ کوئی مسنون نہیں ہاں اپنے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ اہل حقوق کے حقوق پورے ہوتے رہیں ورنہ تو یہ زندگی گناہ اور غضب خدا تعالیٰ کا باعث ہوگی۔

دیا۔ اس کا ثبوت دوسرے سلام پر دو پیش کا ہونا ہے اور یہی فرمان باری تعالیٰ ہے فرماتا ہے وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا یعنی جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اتنا ہی۔ پس خلیل اللہ نے افضل صورت کو اختیار کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اس سے ناواقف تھے کہ دراصل فرشتے ہیں اس لئے کہا کہ یہ لوگ اجنبی سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ فرشتے حضرت جبرئیل، حضرت مکائیل اور حضرت اسرافیل علیہ السلام تھے۔ جو خوبصورت نوجوان انسانوں کی شکل میں آئے تھے، ان کے چہروں پر ہیبت وجلال تھا حضرت ابراہیمؑ اب ان کے لئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوگئے اور جلدی اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ذرا سی دیر میں تیار بچھڑے کا گوشت بھنا بھنایا ہوا لے آئے اور ان کے سامنے ان کے قریب رکھ دیا اور فرمایا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اس سے ضیافت کے آداب معلوم ہوئے کہ مہمان سے پوچھے بغیر ہی ان پر شروع سے احساس رکھنے کے پہلے ہی آپ انہیں خبر کئے بغیر ہی چلے گئے اور بہ عجلت بہتر سے بہتر جو چیز پائی اُسے تیار کر کے لے آئے۔ تیار فربہ کم عمر بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے اور کہیں اور رکھ کر مہمان کی کھینچ تان نہ کی بلکہ ان کے سامنے ان کے پاس لا رکھا، پھر انہیں یوں نہیں کہتے کہ کھاؤ کیونکہ اس میں بھی ایک حکم پایا جاتا ہے بلکہ نہایت تواضع سے فرماتے ہیں آپ تناول فرمانا شروع کیوں نہیں کرتے؟ جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر فضل وکرم احسان وسلوک کرنا چاہیں تو کیجئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خلیل اللہ اپنے دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے جیسے کہ اور آیت میں ہے فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً الخ یعنے آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو دہشت زدہ ہو گئے اور دل میں خوف کھانے لگے۔ اس پر مہمانوں نے کہا ڈرو مت ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کے آگے آئے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھی وہ یہ سنکر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوشخبری سنائی کہ تمہارے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اس پر بیوی صاحبہ کو تعجب ہوا اور کہا ہائے افسوس اب میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں تو بڑھیا پھوس ہو گئی ہوں، اور میرے یہ شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو گئے ہیں۔ یہ سخت تعجب کی چیز ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم خدا کے کاموں سے تعجب کرتی ہو؟ خصوصاً تم جیسی ایسے پاک گھرانے کی عورت؟ تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تعریفوں کے لائق اور بڑی عظمت اور شان والا ہے۔ یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ بشارت حضرت ابراہیمؑ کو دی اور اس سے پہلے کی آیت میں ہے کہ بشارت آپ کی بیوی صاحبہ کو دی۔ تو مطلب یہ ہے کہ دونوں کو بشارت دی گئی کیونکہ بچے کا ہونا دونوں ہی کی خوشی کا موجب ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بشارت سنکر آپ کی اہلیہ صاحبہ کے منہ سے زور کی آواز نکل گئی اور اپنے منہ پر دو ہتڑ مار کر ایسی عجیب وغریب خبر کو سنکر حیرت کے ساتھ کہنے لگیں کہ جوانی میں تو میں بانجھ رہی اب میاں بیوی دونوں پورے بوڑھے ہو گئے تو مجھے حمل ٹھہرے گا؟ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ یہ خوشخبری کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے بلکہ خدا تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم تمہیں یہ خبر پہنچا دیں۔ وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔ تم جس عزت وکرامت کے مستحق ہو وہ خوب جانتا ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تمہارے ہاں اس عمر میں بچہ ہوگا۔ اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ نہ اسکا کوئی فرمان حکمت سے خالی ہے:۔

ف یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مہمان سے دریافت کئے بغیر کھانے کا اہتمام اسی وقت ہونا چاہیئے۔ جبکہ مہمان کھانے کے وقت میں آئے اور اگر غیر وقت آیا تو اس سے معلوم کر لینا ہی بہتر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کھا چکا ہو اور آپ بلا وجہ اہتمام کریں نیز مہمان سے کھانے کے متعلق یہ بھی دریافت کر لینا چاہیئے کہ وہ پرہیزی کھانا تو نہیں کھاتا یا مرچ وغیرہ کا تناسب کھانے میں کیا اسے مرغوب ہے، اور کھانے کی کونسی اس پسندیدہ ہے اصل مقصود مہمان کو راحت پہونچانا ہے اور ظاہر ہے کہ راحت طبیعت کے موافق ہی پر موقوف ہے غریب عوام ان اصول سے ناواقفیت کی بنا پر خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور اپنے مہمان کو بھی کبیدہ کرتے ہیں۔ (تمت بالخیر)

مکتبہ فیض القرآن دیوبند۔ (یو۔پی)